ماہنامہ

حکمت بالغہ

نومبر 2010

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:-0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: http://hamditabligh.net

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات

سورۃ الملک

(آیات۔6۔18)

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ عَذَابُ جَہَنَّمَ

اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے

وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ O

اور وہ برا ٹھکانہ ہے

اِذَاۤ اُلۡقُوۡا فِیۡہَا سَمِعُوۡا لَہَا شَہِیۡقًا وَّ ہِیَ تَفُوۡرُ O

جب اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا چیخنا چلانا سنیں گے

اور وہ جوش مار رہی ہوگی

تَکَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الۡغَیۡظِ

گویا مارے جوش کے پھٹ پڑے گی

کُلَّمَاۤ اُلۡقِیَ فِیۡہَا فَوۡجٌ

جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی

سَاَلَہُمۡ خَزَنَتُہَاۤ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَذِیۡرٌ O

تو دوزخ کے داروغے ان سے پوچھیں گے

تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟

قَالُوۡا بَلٰی قَدۡ جَآءَ نَا نَذِیۡرٌ

وہ کہیں گے کیوں نہیں ضرور خبردار کرنے والا آیا تھا

فَکَذَّبۡنَا وَ قُلۡنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ

لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی

اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ کَبِیۡرٍ O

تم تو بڑی غلطی میں (پڑے ہوئے) ہو

وَ قَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ O

اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے

فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِہِمۡ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ O

پس وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے

سو دوزخیوں کے لئے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ

(اور) جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں

لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ O

ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے

وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ O

اور تم (لوگ) بات پوشیدہ کہو یا ظاہر وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے

اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ O

بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟

وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے

ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا

وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم کیا

فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِہَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِہٖ

تو اس کی راہوں میں چلو پھرو اور اللہ کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ

وَ اِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ O

اور (تم کو) اسی کے پاس (قبروں سے) نکل کر جانا ہے

ءَ اَمِنتُم مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ

کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو کہ تم کو زمین میں دھنسا دے

فَاِذَا هِیَ تَمُوۡرُ

اور وہ اس وقت حرکت کرنے لگے

اَمۡ اَمِنتُم مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا

کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے

فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ O

سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے

وَ لَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ O

اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی جھٹلایا تھا

سو (دیکھ لو کہ) میرا کیسا عذاب ہوا

صدق الله العظیم

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

علامہ اقبال کے کلام میں فارسی کلام کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اُنہوں نے اپنے فلسفیانہ فکر، مشکل مضامین اور برجستگی کے لئے اُردو کی بجائے فارسی کو اظہار کا ذریعہ بنایا تھا فارسی کلام میں پیام مشرق 1924ء میں چھپ کر سامنے آئی۔

قیام جرمنی کے دوران فلسفہ عجم پر تحقیق وجستجو کے دوران ایران کے حالات، ایرانی شعرا اور اسلامی تہذیبی وثقافتی اثرات کے لئے جو مواد ان کی نظر سے گزرا اس کی روشنی میں جرمن قوم کے اکابر دانشور اور اہل علم بھی مسلم ایرانی شعراء حافظ شیرازی وغیرہم کے مداح بلکہ پرستار نظر آئے جس سے علامہ اقبال کا ذہن 'جرمن قوم پر اسلامی تہذیبی وثقافتی اثرات' کے مطالعہ کی طرف منتقل ہوا۔ آگے بڑھے تو ایک پھیلا ہوا گلستان نظر آیا جہاں اسلامی افکار کی خوشبو مہک رہی تھی۔

''پیام مشرق'' میں علامہ اقبال نے جرمن قوم میں اعلیٰ علمی سطح پر گزشتہ دو صدیوں سے جاری اس احیائی عمل کا اعتراف کرتے ہوئے اس کو سنوارنے اور نکھارنے کی کوشش فرمائی ہے۔ آپ نے اس کتاب کا ''بقلم خود'' ایک وقیع دیباچہ لکھا ہے جسے ہم اس لئے اس شمارے میں چھاپ رہے ہیں کہ علامہ اقبال کے احساسات قارئین تک پہنچائے جاسکیں۔

اسی سمت پر گزشتہ کئی سالوں کے مطالعہ سے ایک بات جو میرے ذہن میں راسخ ہوگئی کہ جرمن قوم میں وہ کونسی خوبی ہے یا خاص تاریخی پس منظر ہے جو دیگر یورپی اقوام (اطالوی، فرانسیسی، یونانی وغیرہ) کے برعکس اسلام کے بارے میں مثبت اور تعمیری نقطہ کی بنیاد ہے۔

اس شمارے میں حاصل مطالعہ کے طور پر جرمن قوم کی ذہنی ونفسیاتی ساخت میں تاریخی، جغرافیائی اور تہذیبی وثقافتی عوامل کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے جس کی وجہ سے گزشتہ کئی صدیوں میں جرمن قوم کا خمیر دیگر مسیحی اقوامِ یورپ سے بہت مختلف انداز میں پروان چڑھا ہے۔

امید ہے کہ قارئین بھی اس مضمون کے مطالعے سے یہی نتیجہ نکالیں گے اور ہمارے

ساتھ متفق نظر آئیں گے۔

قرآن اکیڈمی جھنگ میں 20 نامور شخصیات پر منعقد سیمیناروں کے سلسلہ میں آخری شخصیت حضرت علامہ اقبال کی تھی۔ اس سیمینار کے حوالے سے بنیادی باتیں بھی اسی شمارے میں شامل اشاعت ہیں۔

علامہ اقبال کے وژن (VISION) کے مطابق 1910ء۔2010ء تک برطانوی ہند کے مسلمانوں کے حالات پر مبنی چار قسطوں میں جاری تحریر کا آخری حصہ '1998ء سے 2010ء تک' بھی اسی اشاعت میں شامل ہے اور یہ شمارہ بنیادی طور پر انہیں تین تحریروں پر ہی مشتمل ہے۔

نیز یہ شمارہ چونکہ ماہ نومبر کا شمارہ ہے جو علامہ اقبال کے یوم ولادت (9 نومبر 1877ء) کی مناسبت سے ان کے مداحوں کے نزدیک اہم ہے۔ اخبارات، ریڈیو، ٹی وی پر اس مناسبت سے خصوصی ایڈیشن اور خصوصی پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں۔

لہٰذا حکمت بالغہ کا یہ شمارہ اس پہلو سے خواہی نخواہی علامہ اقبال نمبر ہی میں بدل گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہم مسلمانانِ پاکستان جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد علامہ اقبال کے احسانات کا بارگراں بھی اپنے کندھوں پر رکھتے ہیں ان کے کلام اور فرمودات سے جذبہ حاصل کر کے اس ملک کو اسلام کا گہوارہ بنانے کا عزم کر لیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ''وفاداری'' کا عہد تازہ کریں تو کیا عجب کہ یہاں کے مسلمانوں کا مستقبل تابناک ہو جائے اور ہمارا ملک پوری دنیا کے لیے امن وسکون اور عدل واحسان کا ''منارہ نور'' بن جائے۔

وما ذالك على الله بعزيز

حکمت بالغہ کا آئندہ شمارہ (ماہ دسمبر 2010ء) جیسا کہ گزشتہ چند ماہ سے قارئین جانتے ہیں قیام پاکستان کی بنیاد اور علامہ اقبال کے مطابق مستقبل کی اسلامی ریاست کے پہلے قدم کے طور پر ''دوقومی نظریہ'' کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہوگا اور ہمارے ملک پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس ملک کو صحیح رُخ پر چلانے اور نظریاتی ریاست بنانے کے لئے اس ملک کے نظام تعلیم کو نظریاتی بنانے کی اہمیت کو اجاگر کرنے والی تحریروں پر مشتمل ہوگا۔ پاکستان ایک

نظریاتی ملک ہے اس ملک کی تشکیل میں

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

کہیں..... یا دوقومی نظریہ بات ایک ہی ہے

اگر اسی دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ہمارا نظام تعلیم تشکیل پا سکے تو ہماری درسگاہوں سے نکلنے والا ہر نوجوان اسلام کا مبلغ، علامہ اقبال کا شاہین، مردمومن، ''قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن'' کا مظہر، دوسری اقوام سے علیحدہ اعلیٰ کردار کا نمونہ، پاکستان کا نظریاتی محافظ حضرت محمد ﷺ کا سچا اُمتی، مثالی مسلمان، عالمی خلافت کے قیام کا ہراوّل دستہ، امن کا داعی عدل وانصاف کا پرستار، بلالحاظ مذہب و رنگ ونسل تمام مظلوم مقہور انسانوں کا ہمدرد اور بہی خواہ، مردمجاہد .....اور اپنے رب کا پسندیدہ انسان ہوگا۔

ایسے نادرروزگار انسان ملک میں جاری موجودہ مغربی نظام تعلیم اور اس کی تہہ میں فکری بے راہ روی، نظریاتی انتشار، اخلاق سے دوری اور سیکولر نقطہ نظر رکھنے والے اساتذہ کے ذریعے پیدا نہیں ہو سکتے۔ ہمارے ملک کے جو دانشور.....موجودہ نظام تعلیم کی آبیاری کر کے اس نظریاتی ملک پاکستان کے مستقبل کے لئے ایسی بیوروکریسی، فوجی قیادت، تاجر، بنکار، صنعت کار، اساتذہ، فوج، مائیں اور باپ.....تعمیر کر رہے ہیں وہ.....ایک زہرناک اور خطرناک کاوش کر رہے ہیں جس کے نتائج اس ملک کے لئے مہلک اور خوفناک ہی ہو سکتے ہیں مفید اور مثبت نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ معقول بات ہے کہ AS YOU SOW SO, SHALL YOU REAP ملک دشمن اور اسلام دشمن خدا بیزار نظام تعلیم کی کوکھ سے ''لا الہ الا اللہ'' کی روشنی سے مزین کردار اور شخصیات وجود میں نہیں آسکتیں۔

دوقومی نظریہ کے حامل اس ملک پاکستان کے لئے اسی نظریہ کی بنیاد پر استوار ایک نظریاتی نظام تعلیم ناگزیر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اس نازک اور اہم موضوع پر مسلمانانِ پاکستان کے لئے صحیح مشورے اور دانشور حضرات کے لئے معنوی طور پر ''صحت مند'' "FOOD FOR THOUGHT" سامنے لانے کی توفیق بخشے تاکہ ایسے صحت مند نظام تعلیم کی آغوش میں پرورش

پاکر ملک کو چلانے والے صحیح دماغ میسر آسکیں۔ آمین

برطانوی ہند کے مسلمانوں کے

1910ء۔2010ء کے حالات

آج ساری دنیا کے مسلمان عام طور پر اور مسلمانانِ پاکستان (یا برطانوی عہد کے ہند کے مسلمان) خاص طور پر ذلت، ادبار اور دنیاوی طور پر خستہ حالی کا شکار ہیں۔ جس سے عام مسلمان تو کیا تعلیم یافتہ طبقہ بھی مایوسی اور بددلی کا شکار ہے اور مستقبل کے بارے میں مایوس اور ماضی کے اپنے اباؤاجداد سے بدظن نظر آتا ہے۔

علامہ اقبال کی شخصیت برطانوی ہند کے مسلمانوں کے لئے 'دیدہ ور' دانائے راز، حکیم الامت اور 'مبشّر' کی سی تھی جنہوں نے مشکل اور مایوس کن حالات میں مسلمانوں کو سہارا دیا، اُٹھایا، غلامی سے نجات کا جذبہ پیدا کیا اور 'مولے' کو 'شہباز' سے لڑا دیا اور 1947ء میں مسلمانوں نے علیحدہ وطن حاصل کر لیا۔ اس پر مستزاد، خلافت کا احیاء یعنی ایسا اسلامی انقلاب جو مساوات، عدل وانصاف اور ظلم، سود، استحصال سے پاک کفالت عامّہ کے اسلامی نظام کی وضاحت بھی فرمائی کہ یہ اس مسلم ریاست کا مقدر ہوگا۔ اس سمت میں ہم نے کتنا سفر کر لیا ہے اور کتنا باقی ہے۔ اس پر 3 قسطوں میں اظہار خیال کیا گیا ہے (ماہ جنوری 10ء، ماہ مارچ 10ء، ماہ جون 10ء) اور اب آخری حصہ اس شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔

قوموں کی زندگی طویل ہوتی ہے اور ایک صدی عام انسان کے دس سال کے برابر بھی نہیں ہوتی لہٰذا ــــــــــــ اگر ان دس سالوں میں ہم غلام مسلمانوں نے جابر یورپی سامراج سے نجات حاصل کر کے علیحدہ ملک اور آزادی حاصل کر لی ہے اور دشمنوں کے نرغے میں نہ صرف زندہ ہیں بلکہ دنیا کی سپر پاور اور NATO سے نبرد آزما ہیں تو یہ کامیابیوں کا سفر ہے اور علامہ اقبال کے برطانوی ہند کے شاندار مستقبل کی نوید کا صحیح مظہر ہے اور منزل قریب ہے۔

؎ عطا مومن کو درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی ذہن ہندی نطق اعرابی

آیئے ملاحظہ فرمایئے

1910ء___2010ء

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے سو سال

حصہ چہارم 1998ء___2010ء

انجینئر مختار فاروقی

آج کی دنیا کے نقشے میں موجود کئی ممالک برطانوی ہند کا حصہ تھے، سارک (SAARC) ممالک (سری لنکا، مالدیپ، بنگلہ دیش، بھوٹان، نیپال، بھارت اور پاکستان) کے علاوہ افغانستان کا مشرقی اور جنوبی حصہ بھی برطانوی معاہدات میں جکڑا ہوا تھا۔

1998ء سے قبل کے نو عشروں کے حالات ان صفحات میں آ چکے ہیں۔ بیسویں صدی (1900ء۔2000ء) تاریخ انسانی کی اہم ترین صدی ہے اور حالات و واقعات کی تیزی کے علاوہ عالمی سطح کی دو عظیم جنگیں اسی صدی میں لڑی گئیں ہیں، سائنسی ایجادات نے علم اور معلومات کے تبادلے میں انقلاب برپا کر دیا ہے، معاشی و صنعتی ترقی نے انسانی معاشرت رہن سہن، طرز بود و باش، سفر، تفریح وغیرہ کے طریقے بدل کر رکھ دیے ہیں، ہوائی سفر، موبائل فون، ٹی وی، انٹرنیٹ، کمپیوٹر نے انسانی عادات و اطوار اور سوچ بھی بدل کر رکھ دیا ہے، دنیا ایک گلوبل ولیج (GLOBAL VILLAGE) کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، معیشت میں بے پناہ مغربی صنعتی ترقی اور سودی معیشت نے ارتکاز دولت پیدا کر دیا ہے آج کی دنیا ترقی یافتہ ممالک کی دنیا ہے ترقی پذیر یا مغربی افکار کے مخالف نظریات کے حامل اور مغربی نظریات کو قبول نہ کرنے والے ممالک (اور معاشرے) مغربی تہذیب کے ظلم و ستم اور جبر و استبداد کا ایسا شکار ہیں کہ رومی حکمرانوں اور فرعونوں نمرودوں کا جبر و ستم ہیچ ہے۔

ان مہیب حالات میں بیسویں صدی میں ترقی پذیر اور غیر ترقی یافتہ ممالک کا زندہ رہ جانا اور دنیا کے نقشے پر موجود ہونا ہی ــــــــــــ ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔ علامہ اقبال اسی دور کے شاعر تھے انہوں نے 1911ء میں شکوہ نظم میں حالات کا یہ نقشہ کھینچا تھا۔

عہدِ نو برق ہے، آتش زن ہر خرمن ہے ایمن اس سے کوئی صحرا، نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے ملتِ ختمِ رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

گزشتہ اشاعت میں ہم نے اس عرصے (1910ء۔ 1998ء) میں امت مسلمہ کی کامیابیوں کا تذکرہ کیا تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد مسلمان اکثریتی علاقے مغربی ظالمانہ استعمار کے تسلط سے اس تیزی کے ساتھ آزاد ہوئے کہ تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

اٹھارویں صدی میں سلطنت عثمانیہ ایک عظیم عالمی سلطنت تھی۔ یورپی اقوام نے مسلم سپین سے حصولِ علم کے بعد صنعتی ترقی کی، تو طاقت کے نشے میں سلطنت عثمانیہ کے دور دراز علاقے ہتھیانے اور آزادی کے نام پر اپنے زیر تسلط لانے شروع کر دیے۔ یہ عمل شمالی افریقہ اور مشرقی یورپ کے علاوہ روسی ترکستان کے علاقے میں جاری ہوا اور اس شکست وریخت کے عمل میں دو صدیاں گزر گئیں تا آنکہ 1924ء میں سلطنت عثمانیہ ختم ہوگئی۔

روس نے عثمانی سلطنت سے جنگوں کا سلسلہ شروع کیا اور علاقے حاصل کرنے کا عمل شروع کیا تو اس میں بھی دو صدیاں بیت گئیں۔ اس تناظر میں برطانوی (اور یورپی) سامراج، جو اب امریکی سامراج کا روپ دھار چکا ہے، کا زوال صرف 60۔ 70 سال ہی میں اپنے آخری مراحل میں داخل ہو چکا ہے اور جیسا کہ سابقہ قسط میں گوشوارہ دیا گیا تھا اب 58 اسلامی ممالک دنیا کے نقشے پر موجود ہیں۔ روس اور برطانیہ کا زوال اس بیسویں صدی کے دو المیے ہیں تو مسلمانوں کی آزادی اور پاکستان کا قیام اس صدی کے معجزات ہیں۔

آج کے حالات کو سمجھنے کے لئے پہلے ایک اور زاویے سے بھی برطانوی ہند کے مسلمانوں کے حالات واقعات پر نگاہ ڈال لینا ضروری ہے:۔

1۔ سلطنت عثمانیہ پر زوال آیا اور 1917ء۔1924ء میں عظیم عثمانی سلطنت (THE GREAT OTTOMAN EMPIRE) ایک چھوٹا سا ملک جمہوریہ ترکی رہ گیا جس کا پوری دنیا میں سب سے زیادہ ردعمل برطانوی ہند میں ہوا اور ایک عظیم الشان تحریک ــــــــــــ تحریک خلافت برپا ہوئی کہ برطانوی حکومت پر زلزلہ آ گیا اور ہندو کو اپنی سیاسی بقا کے لئے اس خالصتاً مسلم تحریک اور مسلم کاز (MUSLIM CAUSE) میں شریک ہونا پڑا۔

2۔ 1930ء میں علامہ اقبال نے ہند کے شمال مغربی علاقے (موجودہ پاکستان) پر مشتمل مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کا نقشہ پیش کیا اور بحالیٔ خلافت کا جذبہ ــــــــــــ ایک نئے روپ، نئی امنگ اور نئے ولولے کے ساتھ اُٹھا اور 1947ء میں پاکستان وجود میں آ گیا۔

3۔ 1947ء میں دو پاکستان تھے ایک مشرقی پاکستان دوسرا مغربی پاکستان مگر ہماری غلطیوں، کوتاہیوں اور دراصل حقیقی اسلامی جذبے کی کمی کی بنا پر اغیار نے سازشیں کر کے ہمیں الگ کرنے کا کھیل کھیلا اب مشرقی پاکستان 1971ء کے بعد سے بنگلہ دیش کے نام سے ایک اہم برادر اسلامی ملک ہے۔

4۔ برطانوی ہند کے دس کروڑ مسلمانوں نے پہلے دو پاکستانوں اور بالآخر موجودہ پاکستان پر احیائے خلافت اور احیائے اسلام کی ذمہ داری ڈال دی تھی۔ علامہ اقبال کا ایک مثالی اسلامی جمہوری فلاحی مملکت کے تصور کو عملی جامہ پہنانا اس ملک کے رہنے والوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ پہلے مسلم اقلیتی صوبوں اور علاقوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لے کر اُسے کامیاب کرا دیا (حالانکہ انہیں یقین تھا کہ ان کا علاقہ کبھی پاکستان میں شامل نہیں ہو سکے گا) یہ خالص اسلامی جذبہ احیائے خلافت کا خواب تھا جس کے لئے ان مسلمانوں نے قربانیاں دیں وطن چھوڑا اور ہجرت کی۔

5۔ بعد ازاں ہمارے کچھ مسلمان بھائیوں نے ہماری ہی غلطیوں اور ناعاقبت اندیشی کے کاموں کی وجہ سے احیائے خلافت کے مشن سے الگ ہو کر اب موجودہ پاکستان پر یہ ذمہ داری ڈال دی۔

6۔ 1971ء کے بعد کا پاکستان بھی اپنوں اور غیروں کی سازشوں کا گڑھ ہے اور عالمی سطح

پر مختلف منفی عوامل کا شکار ہے۔

اس سب کے باوجود 1998ء کے حالات پر نگاہ مرکوز کریں تو 1947ء۔1998ء کا میزانیہ قوموں کے عروج وزوال کی زندگی کے پیمانے کے مطابق بھی بہت زیادہ خراب نہیں ہے۔

☆ پاکستان کے پاس عالم اسلام ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی بہترین فوج ہے جو اپنے مشن، جذبے اور پیشہ ورانہ تربیت میں پختگی کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔

☆ پاکستان اور برادر اسلامی ملک افغانستان کے مسلم عوام نے گزشتہ تین عشروں میں روسی استعمار کا راستہ روکا ہے اور ______ ایک عالمی طاقت کو شکست سے دوچار کر دیا ہے۔ یہ عالمی طاقت پاک افغان مسلم جذبے سے شکست کے بعد اب شکست وریخت کے مرحلے میں ہے USSR اب نام کو بھی نہیں ہے۔

☆ مسلمانوں کی خوش نصیبی کہ روسی استعمار کی تاریخی شکست کے نتیجے میں استعماری پنجے میں گرفتار درجنوں روسی ریاستیں اب اسلامی تہذیب وثقافت کا نام لے کر اسلامی تشخص اختیار کر رہی ہیں۔

☆ پاکستان مئی 1998ء کے بعد اب ایک ایٹمی طاقت ہے اور دنیا بھر کی آٹھویں اور عالم اسلام کی پہلی ایٹمی طاقت کے طور پر ابھرا ہے۔ مزید برآں پاکستان کی ایٹمی طاقت اور اس کی فنی نوعیت دنیا بھر کی ایٹمی طاقتوں کی فنی نوعیت (TECHNOLOGY) سے کہیں بہتر ہے۔

☆ پاکستان جغرافیائی اعتبار سے ایک ایسے خطے میں ہے جس کی اہمیت عالمی سطح پر نمایاں ہے۔ عالمی طاقت چین کا باقی دنیا سے رابطے کا SHORT CUT (شاہراہ ریشم) پاکستان سے گزرتا ہے، اس عظیم سلطنت کے لئے اقتصادی لحاظ سے شاہراہ ریشم سے زیادہ سودمند کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

☆ مشرق وسطی آئندہ عشروں میں عالمی معیشت اور اقتصادیات کا مرکز بننے والا ہے اور پاکستان کوہ ہندوکش سے بحیرۂ عرب تک ایک دیوار (اسلامی تہذیب کی دیوار) کے طور پر مشرق بعید کو (بھارت سمیت) مشرق وسطی سے الگ کر رہا ہے۔ مشرق بعید کا ہر ملک ______

روس، مشرق وسطی، یورپ یا مغربی ممالک تک پاکستان کو عبور کیے بغیر ہوائی اور زمینی رابطے سے محروم ہے اسی لئے عالمی طاقتیں اپنے اپنے مفادات کے لئے پاکستان کو توڑنے کی باتیں کرتے رہتے ہیں اور اندرون خانہ ایجنسیز اپنے منصوبوں پر عمل پیرا ہیں۔ 1947ء میں کانگریس (بھارت) نے روسی استعمار کے پھیلاؤ سے بھارت کو بچانے اور پاکستان کو USSR کے سامنے ترنوالہ بنانے کے لیے تقسیم ہند کو قبول کیا تھا وہ 'قبول کرنا' آج بھارت کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے وہ افغانستان، ایران، مشرق وسطی، امارات اور سعودی عرب سے زمینی رابطہ کیلئے پاکستان کا محتاج ہے۔

☆ پاکستان کی یہ عالمی، سیاسی اور جغرافیائی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، اس پر مستزاد یہ ہے کہ گزشتہ دو عشروں سے امریکہ تنہا عالمی طاقت ہے اس کے نتیجے میں جو خاص نفسیات امریکی اعلیٰ کارپردازوں اور منصوبہ سازوں کی بن گئی ہیں وہ END OF HISTORY اور CLASH OF CIVILIZATIONS جیسی کتابوں کے مندرجات سے ظاہر ہیں۔ اندریں حالات امریکہ بہادر عالمی برتری کو ہر قیمت پر برقرار رکھنے کی موہوم پالیسی (PHOBIA) کا شکار ہے۔ اسی سوچ کے تحت ASIA PACIFIC اور CONTAINTMENT OF CHINA کی پالیساں بنائی گئیں ہیں۔ اس پالیسی کے تحت جو اقدامات کیے جارہے ہیں اور جو ROAD MAPS تیار ہوئے ہیں اُس نے پاکستان کی تزویراتی اہمیت (STRATIGICAL IMPORTANCE) کو کئی گنا کر دیا ہے جس سے اس علاقے میں امریکی مداخلت روز بروز بڑھ رہی ہے اور 1998ء کے بعد واضح طور پر نمایاں اضافہ ہو گیا ہے جس سے پاکستان کے دوست ممالک اور عوام پریشان ہیں تاہم ان امریکی اقدامات سے پاکستان کے دشمنوں کی نیندیں بھی حرام ہو چکی ہیں۔

دوسری طرف عالمی حالات کا رُخ یہ ہے کہ:

☆ عالمی طاقتوں، عالمی ایجنسیوں اور خطے کے ممالک کے لئے پاکستان کی یہ اہمیت حیران کن ہی نہیں پریشان کن ہے۔ عالمی سطح پر ہر مسلمان اور مسلم ممالک کے دردمند حکمران اس صورت حال کو اپنے حق میں استعمال کرنے اور پاکستان پر عالمی دباؤ کم کرنے کی کوئی حتمی پالیسی

بنانے پر گومگو کا شکار ہیں۔

☆ امریکی، صہیونی اور G15 ممالک کے عالی دماغ اور پالیسی ساز افراد اور ان کے تھنک ٹینکس (THINK TANKS) نے اسی لئے وہ پالیسی اپنالی ہے جو ''تہذیبوں کا تصادم'' نامی کتاب میں اس کے مصنف نے دی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم تہذیب واحد تہذیب ہے جو امریکی (حالیہ مغربی) تہذیب کو ہضم کرنے سے گریزاں ہے اور مسلمانوں کا تاریخی ورثہ، تہذیب، اقدار، عقائد، قرآن مجید اور مذہبی رہنما مسلمانوں کی نئی نسلوں کو مغربی اقدار، سیکولر طرز زندگی اور کھانے پینے، سونے جاگنے، دیکھنے سننے، لباس اور اپنی خواہشات کی تکمیل کی بے لگام آزادی کے راستے کا بھاری پتھر ہیں۔ لہٰذا 'مسلم کشی' ہی اس صورت حال سے نمٹنے کا واحد حل ہے۔ مختلف انداز اور حیلوں بہانوں سے ایک دو ارب مسلمانوں کو قتل کرنا پڑے تو بھی مغربی اور ابلیسی ذہنیت کے مالک ان عالمی دماغوں کے نزدیک مغربی تہذیب کو بچانے کے لئے گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔

☆ چنانچہ 1998ء سے پہلے درپردہ اور ایجنسیز کے ذریعے اور 1998ء کے بعد علی الاعلان اور واضح پالیسیوں کے ساتھ عالمی طاقت امریکا (اپنے اتحادیوں سمیت) اور UNO (بے چاری کو سامنے کر کے) عالم اسلام (عراق، افغانستان، یمن، سوڈان وغیرہ) پر بالعموم اور پاکستان (اور سعودی عرب کے مقدس مقامات) پر بالخصوص اپنی دیرینہ مسیحی امنگ یعنی 'صلیبی جنگ' کا آغاز کر چکا ہے۔

1998ء سے 2010ء کے حالات کا اس نظر سے تجزیہ کریں گے تو آپ کو سارے عالمی حالات و واقعات واقدامات اور میڈیا وار کے حملوں کے پس پردہ تمام رازوں سے پردہ اُٹھتا نظر آئے گا اور ہر چیز روز روشن کی طرح واضح، نمایاں اور CRYSTAL CLEAR نظر آ رہی ہوگی (بشرطیکہ انسان کسی NGO کا نمائندہ نہ ہو اور کسی عالمی ایجنسی کا اہل کار نہ ہو کہ ان بے چاروں کو تو PAY ہی اسی بات کا کیا جاتا ہے کہ اصل حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کریں، واضح حقائق کا انکار کریں، مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لئے ہر غیر اخلاقی کام کر گزریں اور ہر جھوٹ کا سہارا لیں۔ ہر باضمیر انسان غیر جانبدارانہ تجزیہ کر کے حالات کا یہی نتیجہ نکالے گا کہ یہ مغرب و مشرق کی

جنگ ہے' سیکولرازم، لبرل ازم، خدابیزار، خداناشناس نظریات (اور سوسائٹی) کی مذہب سے جنگ ہے' عالمی طاقتوں کی مسلمانوں سے جنگ ہے اور مسیحیت کی اسلام سے جنگ ہے یعنی تیرہویں صدی عیسوی سے جاری یورپی مسیحی ذہن کے مطابق آخری صلیبی جنگ ہے جس کا منشا اور ہدف پیغمبر اسلام ﷺ، قرآن مجید اور مسلمانوں کا خاتمہ ہے۔

ان سطور میں چونکہ برطانوی ہند کے مسلمانوں پر گزشتہ ایک صدی کے آخری عشرے 1998ء سے 2010ء تک کے حالات پر روشنی ڈالنا ہے۔ ماضی بعید کے واقعات و حالات کا تجزیہ قدرے آسان ہوتا ہے جبکہ حالات حاضرہ کا صحیح تجزیہ قدرے مشکل۔ گزرے حالات کے اچھے برے پہلو وقت کے ساتھ سامنے آ چکے ہوتے ہیں جبکہ جاری حالات کے اچھے بُرے نتائج ابھی ایسے نمایاں نہیں ہوئے ہوتے کہ عام آدمی بھی محسوس کر سکے۔ لہٰذا ــــــــــ اس مضمون کے مغز (ESSENCE) اور لب لباب کو صحیح صحیح سمجھنے کے لئے عالمی سطح پر جاری تین اور جنگوں جیسے منصوبوں کا ادراک بھی از حد ضروری ہے اور وہ یہ ہیں:

1۔ بنی اسرائیل (یہود) تاریخ انسانی کا ایک ایسا بگڑا ہوا گروہ ہے کہ پیغمبروں (علیہم السلام) کی اولاد اور اُمت ہونے کے باوجود ــــــــــ اپنے بعد کے پیغمبروں کا نہ صرف انکار کرتا رہا ہے بلکہ ان میں سے بہت سوں کو قتل کر دیا یا ان کے قتل کے منصوبے بنا دیے۔ قرآن مجید اس بات کا گواہ ہے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل (سولی) کا منصوبہ یہود نے بنایا (جیسا کہ انجیل برنباس کے مصنف نے تفاصیل دی ہیں) اور حضرت محمد ﷺ کے قتل کے دو منصوبے اُنہوں نے بنائے، نیز جنگ بدر، جنگ اُحد اور جنگ خندق کے موقع پر کفار کو ابھار کر لانے والے اور اندرون مدینہ ساری LOGISTIC SUPPORT دینے والے یہی یہود تھے جو تین قبیلوں بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع کے نام سے صدیوں سے وہاں آباد تھے۔

یہ گروہ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع آسمانی کے اور ٹائٹس رومی (70ء) کے حملے کے بعد یروشلم سے آسمانی سزا کے طور پر در بدر ہوا اور ان کا قبلہ ان سے چھین کر ــــــــــ آنے والے نبی حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں کو دے دیا گیا (یہی سنت اللہ ہے اور عقلی اور منطقی بات

ہے)۔مسیحیوں کے تثلیث کا عقیدہ اختیار کرنے اور شرک میں بری طرح ملوث ہونے اور حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہ بیت المقدس 644ء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مبارک دور میں مسلمانوں کو مل گیا اور وہی اس کے اہل اور حق دار تھے اور ہیں بھی کہ آج وہی وراثت انبیاء کرام علیہم السلام کے امین ہیں۔

اس حقیقت کو جھٹلانے کے بعد بھی یہود اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ انکار انبیاء اور قتل انبیاء کے باوجود خدا کے چہیتے یعنی CHOSEN PEOPLE OF THE LORD ہیں اور اصل انسان ہیں باقی سارے انسان' انسانی شکل تو رکھتے ہیں دراصل حیوان (GOYEMS) ہیں یعنی آج دنیا کے سارے غیر یہودی انسان ــــــــــــ اس ابلیسی گروہ کے نزدیک انسان ہی نہیں ہیں اور نہ ہی انسان کہلانے کے مستحق (یہ اسی منحوس سوچ اور خود ساختہ برتری کے احساس کا نتیجہ ہے جو اسرائیل فلسطین میں یروشلم کے مسلمان رہائشیوں کے ساتھ کر رہا ہے)۔

یہ گروہ ــــــــــــ 70ء کے بعد دنیا میں منتشر ہو گیا اور انیس صدیاں در بدر نوحہ و گریہ کرتے گزار دیں تا آنکہ انہیں اُنیسویں صدی کے اواخر پر بنکوں کے نظام پر قبضہ، برطانوی بادشاہت پر پروٹسٹنٹ کے ذریعے مؤثر کنٹرول اور امریکی منصوبہ سازوں میں غالب نمائندگی کے نتیجے میں یہ احساس ہوا کہ وہ اب مشرق وسطی میں اپنے لئے وطن حاصل کر سکتے ہیں۔اس کے لئے اُنہوں نے جو اقدامات کئے وہ مختصراً درج ذیل ہیں:-

☆ ایک یہودی ڈاکٹر (عالم) ہرٹنز نے سوئزرلینڈ کے شہر BASEL میں 1897ء میں ایک عالمی یہودی کانفرنس بلائی جہاں ساری دنیا سے سو کے قریب یہودی نمائندے شریک ہوئے، اس کانفرس میں اُس نے یہودیوں کے لئے ایک وطن کے حصول کے امکانات کا جائزہ پیش کیا اور شرکاء کو قائل کر لیا کہ یہ کام کرنے کا ہے۔دو تین سال مسلسل یہ کانفرنسیں ہوئیں تو اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک سو سالہ منصوبہ بنایا گیا اس منصوبہ کے ROADMAP میں یہودیوں کے لئے ایک وطن اسرائیل کے قیام کے لئے مختلف مراحل کی بجائے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے طریقہ کار، برطانوی یورپی اور امریکی اہلکاروں، پوپ، تاج برطانیہ اور رائے عامہ کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے ہتھکنڈے اور بالعموم انسان کے سفلی جذبات کو ہوا

دے کر 'حیوان' بنانے کے کام پر زور دیا گیا تھا۔ اس سارے منصوبہ کی کچھ تفصیلات "PROTOCOLS OF THE ELDERS OF THE ZIONS" کے نام سے ملتی ہیں اور پڑھی جاسکتی ہیں۔

☆ 1906ء میں اس یہودی کانگریس نے ایک نقشہ چھاپ دیا جس نے ایک اسرائیل کے نام کے ملک کا فلسطین میں نقشہ پیش کر دیا گیا اور مزید برآں اس اسرائیل کے بعد وسیع تر اسرائیل (GREATER ISRAEL) کا منصوبہ بھی پیش کر دیا گیا۔

(یہ سوئے اتفاق ہے یا حسن اتفاق کہ دسمبر 1906ء میں ہی مسلم لیگ بنی اور اس نے برطانوی ہند کے مسلمانوں کے لئے الگ جماعت بنائی جس کے طویل عرصے تک صدر سر آغان سوئم رہے۔ سر آغا خان سوئم اُن تین افراد کے وفد میں سے ایک تھے جو 1897ء کی یہودی عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے برطانوی ہند سے گئے تھے اس وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی اور اس وفد کے سربراہ تھے۔)

☆ اسرائیل کے قیام کے لئے طے شدہ پروٹوکالز کے مطابق یہود نے شراب، بدکاری، بے حیائی، جوا، سٹہ، سینما، ہوٹلنگ غرض ہر غیر اخلاقی طریقے کو بھی استعمال کرنا اپنے لئے لازم کر لیا اور دنیا میں ابلیسیت کو فروغ دینے میں سب سے نمایاں کردار ادا کرنے والے بن گئے ہیں۔

☆ 1914ء۔1918ء میں پہلی جنگ عظیم ہوئی۔ یہ جنگ برطانیہ (اور اس کے اتحادی) بمقابلہ جرمنی لڑی گئی سلطنت عثمانیہ نے جرمنی کا ساتھ دیا، جرمنی نے شکست کھائی تو سلطنت عثمانیہ کو سزا بھگتنا پڑی۔ 1917ء میں بالفور ڈیکلریشن ہوا جس کے ذریعے جنگ میں مشرق وسطی کی عثمانی سلطنت کے علاقے برطانیہ کو مل گئے اور فلسطین میں یہودیوں کو زمین خریدنے کی اجازت مل گئی چنانچہ اگلے 20 سالوں میں ارب پتی یہودی ساھوکاروں نے فلسطین کے REAL STATE کے کاروبار پر قبضہ کر لیا اور تمام اہم مارکٹیں اور زرعی علاقے خرید لیے۔

☆ 1939ء۔1945ء دوسری جنگ عظیم چھیڑ دی گئی جرمنی اور برطانیہ پھر آمنے سامنے تھے اور پہلی جنگ عظیم کی طرح برطانیہ اور جرمنی کے پیچھے دونوں طرف رقم خرچ کرنے والے یہودی بنکار ہی تھے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سرگرم تھے۔

☆ بیسویں صدی میں غالباً ہٹلر (جرمنی کا سربراہ) واحد شخص ہے جس نے یہودی عزائم کو سمجھا اور اپنی سلطنت کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے اُن سے نمٹا۔ یہودی دعوے کے مطابق 60 لاکھ یہودی ہٹلر نے بہیمانہ طریقے پر قتل کر دیے۔ اس واقعے کو یہودی HOLO CAUST کہتے ہیں اور اپنے اوپر بڑا ظلم سمجھتے ہیں۔ 1945ء جنگ ختم ہوئی اور جرمنی اقتصادی طور پر تباہ ہو چکا تھا معاہدے کے تحت جرمنی کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا اور مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی کے درمیان ایک دیوار (دیوار برلن) تعمیر کر دی گئی تا کہ جرمنی دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے۔ برطانوی معیشت بھی تباہ ہو چکی تھی تاہم UNO قائم ہوئی۔ ورلڈ بنک، IMF بنے اور ان اداروں کے ذریعے امریکہ کو عالمی رہنمائی دے دی گئی۔

☆ اگست 1947ء میں پاکستان بنا۔ مئی 1948ء میں اسرائیل کا قیام ایک معاہدے کے تحت سامنے آ گیا۔

☆ 1967ء کی جنگ اور 1973ء میں اسرائیل نے عربوں سے دو جنگیں لڑیں اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

☆ یہودیوں کے وسیع تر اسرائیل کے لئے دو منصوبے بڑے اہم تھے: ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کا تعمیر کردہ عبادت خانہ ہیکل سلیمانی کی 'تعمیر نو'۔ جسے پہلے 567 ق م میں عراقی بادشاہ نمرود (بخت نصر) نے گرایا تھا دوبارہ تعمیر ہوا تو 70ء میں ٹائٹس رومی فاتح نے گرایا تھا جو اب تک انیس صدیوں سے گرا پڑا ہے۔ دوسرا آس پاس کے علاقوں کو زیر کر کے اسرائیلی حکومت کی توسیع اور عالمی معیشت پر قبضہ۔

☆ 1998ء تک اس یہودی منصوبے کو سو سال پورے ہو گئے مگر یہ ہیکل سلیمانی تعمیر ہو سکا نہ وسیع تر اسرائیل وجود میں آ سکا۔ اس کے برعکس مسلم ملک پاکستان نے مئی 1998ء میں ایٹمی دھماکہ کر کے ایٹمی قوت ہونے کا اعلان کر دیا۔

یہ صدمے تھے جو اس یہودی ابلیسی گروہ کو لگے اور وہ مایوس (DESPERATE) ہو کر جیسے تیسے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے میدان میں کود پڑا اور اپنے سرپرستوں کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور اس ملک اسرائیل کی حفاظت کریں۔

2۔ عالمی صہیونی قوت کے زیر اثر پہلے برطانیہ اور اب امریکہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے دنیا میں آسمانی وحی و ہدایت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو پس پردہ کرنے کا کام کر رہا ہے۔ چنانچہ سیکولر افکار، سیکولر تعلیم، سیکولر طرز حکومت، سیکولر معیشت، سیکولر معاشرت اور سیکولر تفریحی طور طریقے عام کرنے کے لئے بے پناہ وسائل خرچ کیے گئے ہیں اور منصوبہ سازی کی گئی ہے۔

تفصیل کا موقع نہیں ہے تاہم طرح طرح کے نظریات یونیورسٹیوں کے ذریعے عام کئے گئے اور ان کے نفاذ کے لئے تجربات کیے گئے۔ ان نظریات کے فروغ کے پس پردہ یہ بات مشترک ہے کہ یہ نظریات ایک عالمی مافیا (صہیونیت) کی ضرورت تھے تو عام ہوئے، تجربات ہوئے، سکالر، ڈاکٹرز نے مقالات لکھے اور ان کے فوائد گنوائے مگر مافیا کو جب ضرورت نہ رہی تو یہی نظریات طاق نسیان ہو گئے ان کے لئے کوئی آنسو بہانے والا بھی نظر نہ آیا۔

☆ جمہوریت، عوامی نمائندگی اور رائے عامہ بڑے خوش کن اصطلاحات ہیں۔ گزشتہ تین چار صدیوں سے اُن کو عام کیا گیا اور عمل میں لایا گیا مگر یہی مغربی طاقتیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے آمروں اور ڈکٹیٹروں کو لاتی رہیں، سپورٹ کرتی رہیں کیوں کہ اپنا مقصد اس طرح حاصل ہونا آسان تھا۔

جمہوریت اپنی اصلی شکل میں تو امریکہ میں بھی کبھی نہیں آئی۔ ووٹوں کی خرید و فروخت، گنتی میں گھپلے، قتل، بوگس ووٹنگ، پھر ممبران پارلیمنٹ کو مراعات دے کر خریدنا اور کسی رائے کے حق میں ووٹ ڈلوانا یہ وہ ہتھکنڈے ہیں جو جمہوریت کے ثمرات ہیں اور مغربی ممالک سمیت دنیا میں عام ہیں۔ علامہ اقبال نے ابلیس کی مجلس شوریٰ نامی نظم میں ابلیس سے یہی کہلوایا ہے:

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

عوام کی رائے اور رائے عامہ، اکثریت کی رائے کا جمہوریت میں بڑا بنیادی ROLE ہے مگر نائن الیون کے بعد دنیا میں ملین مارچ ہوئے اور عوام نے کسی بات کے خلاف رائے دی مگر امریکہ کے مسلط کردہ آمروں اور جمہوری سربراہوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ جب اپنا مقصد ہو تو جمہوریت اور جب نقصان ہو تو جمہوریت کو دور سے سلام۔۔ اب تہذیبوں کا تصادم، دشمن کے وار

کرنے سے پہلے اس کو تباہ کرنے اور مکالمہ بین المذاہب کے نظریات ہیں۔ یہ بھی کچھ عرصے بعد اپنی اہمیت کھو دیں گے۔ بقول اقبال اصل دشمنی اسلام سے ہے اور اس کو ختم کرنا مقصود ہے۔

☆ وطنیت (NATIONALISM) کا نظریہ بھی اس طرح کا ایک کھیل ہے، جب انیسویں صدی کے اواخر میں سلطنت عثمانیہ کو گرانا تھا اور کمزور کرتا تھا تو علاقائی زبانوں، قوموں اور نسلوں کو شہ دی گئی اور بے بہا رقوم خرچ کی گئیں کہ ہر زبان، نسل، قوم کے لئے علیحدہ وطن ضروری ہے جب لارنس آف عربیہ مشرق وسطی میں وطنیت کا زہر گھول رہا تھا تو یہ نظریہ مغرب کو پسند تھا۔ اب صرف نصف صدی بعد یورپی ممالک کو اکٹھا کر کے یورپی یونین بنا دی گئی۔ اس لئے کہ مقصد حاصل ہو چکا اب اپنا مفاد اسی میں ہے کہ یورپ اکٹھا ہو۔ یہ آثار (FOOT PRINTS) عالمی سیاست میں ایک ایسے مافیا کا پتہ دیتے ہیں جو صہیونی یہودی مافیا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

کبھی مغربی یونیورسٹیوں میں نیشنلزم کی خوبیاں بیان ہوتی تھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں ملتی تھیں اور اب متحدہ یورپ اور ''یورو'' کے فوائد بیان کرنے پر شاباش ملتی ہے۔ ڈاکٹریٹ کی ایسی ڈگریوں کے حامل افراد عالمی مافیا کی زبان بولتے ہیں اور کٹھ پتلیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

☆ مغربی صنعتی ترقی اور بنکوں کے ذریعے سودی نظام کے فروغ نے غریب اور امیر کی تقسیم میں خلیج حائل کر دی۔ غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہونے لگا۔ ایک طرف غربت و افلاس اور دوسری طرف فائیو سٹار ہوٹل اور شاندار بنگلے اور محلات ہیں۔

اس سوچ کے کرب سے غریب بلبلا اُٹھا تو کارل مارکس کو کھڑا کیا گیا وہ ایک یہودی تھا۔ اس نے فلسفہ دیا، کوشش کی، DAS CAPITAL کتاب لکھی، اس کتاب کی تعریفیں ہوئیں ترجمے ہوئے تفسیریں لکھی گئیں، تحریکیں چلیں، کتابیں لکھی گئیں، شعراء نے اس فلسفہ کے گن گائے انعامات و اکرامات کی بارشیں ہوئیں، نوبل پرائز ملے انقلاب روس آ گیا چھا گیا۔ کارل مارکس کے جدلی مادیت کے فلسفہ کے حق میں ہزاروں نہیں لاکھوں ادیب شاعر، نثر نگار، ناول نگار حضرات نے خامہ رسائی کی اور اس کو انسانیت کے لئے رحمت اور مفید ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا پھر وہ انقلاب 1990ء میں دفن ہو گیا، USSR ختم ہو گیا۔ اس جدلی مادیت کے فلسفے کا مقبرہ بن گیا مگر دنیا بھر میں ایک بھی ادیب شاعر، نثر نگار ایسا نہ اُٹھا اور نہ موجود ہے جو

اس فلسفے کے حق میں بولنے والا ہو کہ وہ فلسفہ آج بھی قائم ہے اور جدلی مادیت کے مطابق اب روسی معاشرہ اگلے مرحلے میں داخل ہو گیا۔

حقیقت کیا ہے؟ وہ اور ہے۔ جب تک عالمی صیہونی مافیا کو امریکہ کے مقابلے USSR کی ضرورت تھی وہ فلسفہ زندہ رکھا گیا جب ضرورت نہیں رہی اس کو منظر سے ہٹا دیا گیا۔ وہ لکھنے والے کرایے کے لکھنے والے تھے انہیں کوئی دوسرا جاب دے دیا گیا۔ (اللہ اللہ خیر سلاّ)

☆ اسی طرح امن، حقوق، مذہبی آزادی، رائے عامہ کے الفاظ جب تک مغربی ضرورت ہو تو بڑے ضروری ہیں مگر جب ان کے خلاف جا رہے ہوں تو ان اصطلاحات کی پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں ہوتی۔

بیسویں صدی کے اختتام پر (1998ء میں) یہودی مافیا اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام ہو کر مایوس ہے اور وہ امریکہ، برطانیہ، یورپی طاقتوں، یو این او، آئی ایم ایف، ورلڈ بنک کے ذریعے BY HOOK OR BY CROOK نتائج حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے نائن الیون کا بہانہ بنا کر پہلے 7 اکتوبر 2001ء کو ہیکل سلیمانی کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا اور پھر اکتوبر 2001ء میں ہی افغانستان پر چڑھائی کر دی گئی اور 2003ء میں عراق پر امریکی فوجیں حملہ آور ہو گئیں، سعودی عرب میں 1991ء سے 3 لاکھ کرائے کی امریکی فوج بیٹھی ہے پاکستان پر امریکی تزویراتی حملہ ہو چکا ہے ہمیں اس کا احساس نہیں۔

صیہونی مافیا کی کامیابی اس سے زیادہ اور کیا ہو گی کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وہ ساری مسیحی دنیا، مسیحی ممالک اور مسیحی وسائل کو جنگ میں جھونک چکا ہے۔ مقاصد اسرائیل اور صہیونیت کے پورے ہو رہے ہیں اور نام اس جنگ کا صلیبی جنگ ہے۔ مسیحی دنیا کو اسرائیلی ذہن کے اس سے زیادہ بے وقوف بنانے کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ ہمارے حکمران بھی صلیبی جنگ میں امریکہ کو سہولتیں دے رہے ہیں جس سے ہمارے اپنے ہم وطن اور ہم مذہب مسلمان جان بحق ہو رہے ہیں مگر بیان یہ دیتے ہیں کہ یہ جنگ ہماری جنگ ہے۔ فیا اسفا (ہائے افسوس)

تہذیبی و ثقافتی حملہ

تیسری طرف ترقی یافتہ مغرب نے تہذیبی اور ثقافتی سطح پر عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان پر حملہ کر رکھا ہے۔ دنیا میں انسانوں کی اکثریت نظریات وافکار کو پرکھ کر اختیار کرنے کی بجائے مقتدر حلقوں اور اصحابِ ثروت کی تقلید کو ترجیح دیتی ہے۔ برطانوی ہند کے مسلمان دو صدیوں تک انگریز (برطانیہ) کے غلام رہے۔ بہت سے لوگ تو پہلے ہی برطانوی اور مغربی اقدار کے رسیا ہو چکے تھے۔ تاہم 1947ء کے بعد کی مزید مغربی ترقی، سفری سہولیات، علم کی فراوانی اور الیکٹرانک میڈیا نے اس میں تہلکہ مچا دیا ہے اور خبریں/معلومات مغرب سے مشرق کی طرف لمحوں میں پہنچ رہی ہیں پھر اس ترقی کے ساتھ یہودی مافیا کی بدنیتی اور اپنے سو سالہ پرانے اصولوں کے مطابق بے حیائی شراب اور بدکاری وعریانی کو دنیا میں فروغ دینے کا منصوبہ جاری ہے۔ ٹی وی، کیمرہ، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے یہ سارے کام آسان کر دیے ہیں اور 1998ء کے بعد مغرب نے بڑے اطمینان سے مشرق ومشرقی اقدار کے حامل ممالک کے سرخیل پاکستان، افغانستان پر حملہ کر دیا ہے۔ یہ تہذیبی اور ثقافتی حملہ ہے۔

اہل مغرب کی سائنسی ترقی کا تو کوئی انکار نہیں کہ اُنہوں نے ہر شعبہ زندگی میں انقلاب برپا کر دیا ہے مگر اس ترقی اور ان ایجادات سے مسلح ہو کر مغرب کا انسان جب فرصت اور آسودگی کے ساتھ رُکا اور فارغ وقت کے مشاغل اور کھیل کے میدان میں گیا تو اس نے اس سائنسی ترقی، جدیدیت (MODRENISM) اور سائنسی سوچ (SCIENTIFIC APPROACH) کا بہانہ بنا کر اپنے اخلاق اور کردار کا جنازہ نکال دیا مردوں اور عورتوں کو بے لباس کر دیا اور انسان کے اندر اخلاقی حِس کو بھی سرے سے ختم کر دیا۔

آج کی مغربی ترقی کے نتیجے میں ENTERTAINMENT کے نام پر جو بے حیائی، عریانی، بے غیرتی، فحاشی اور بے لباسی کا طوفان آیا ہوا ہے اس کی مختصر تاریخ سامنے رہے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ کل کا مغرب بھی آج کے مغرب کی طرح نہیں تھا بلکہ کسی نے مغربی انسان کو زبردستی بے حیائی اور عریانی کی طرف دھکیلا ہے۔ (''حقیقت علم نمبر'' میں ہم نے یہ تفصیل دی ہے جن حضرات کو اس سے دلچسپی ہو وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں)

آج کا پاکستان

اکیسویں صدی شروع ہونے تک اوراس کے بعدنہایت تیزی سے آج کے ترقی یافتہ NATO ممالک (امریکہ اوراس کے ہم مسلک وہم مشرب) نے پاکستان پرایک کثیرالجہتی حملہ کردیاہے۔

= یہ حملہ مذہبی بھی ہے کیونکہ اس جنگ کا نام امریکہ کے صدر بش نے صلیبی جنگ رکھا تھا۔

= یہ حملہ تہذیبی وثقافتی بھی ہے کہ بالادست مغربی قوتیں اپنی چکاچوندترقی کے جلو میں ہمیں اپنی تہذیب وتمدن اورکھیل کود کے طریقے بھی سکھانا چاہتے ہیں۔

= یہ حملہ نظریاتی بھی ہے کہ ہمیں سائنسی ایجادات اورترقی کا ساتھ دینا چاہئے اور جامد مذہبی فرسودہ (سینکڑوں سال) پرانے نظریات کوترک دینا چاہیے۔

= یہ حملہ فوجی بھی ہے کہ NATO ممالک نے اپنی فوجیں عراق، افغانستان کے ساتھ پاکستان میں اُتاررکھی ہیں۔

= یہ حملہ معاشی بھی ہے کہ امریکہ اپنے ایجنٹوں NGO's کے ذریعے ہمارے درمیان ڈالرتقسیم کرکے لوگوں کوخریدتا ہےاورکالاباغ جیسےقومی ISSUES پربھی اتفاق رائےنہیں ہونے دیتااوربجلی کے بحران میں نہ امریکہ مدد کرتا ہے نہ سستی بجلی پیدا کرنے (کوئلہ یادریائے سندھ پر ڈیم بنانے) کی اجازت دیتاہے۔جبکہ قوم اندھیروں میں ڈوبی پڑی ہے۔

= یہ حملہ ہوائی (ڈرون حملے) بھی ہےاورزمینی بھی کہ بلیک واٹرنامی تنظیم اور NGO's کے نام پر ہزاروں امریکی اوران کے ایجنٹ پاکستان میں سرگرم عمل ہیں UNO کے اہل کاراور اس کے ذیلی اداروں کے اہل کاراورتنخواہ دارکنٹریکٹ ملازمین الگ ہیں۔

= یہ حملہ تعلیمی میدان میں بھی ہے کہ امداد کا لالی پاپ دکھا کر اصلاحات کے بہانے ہمارےسکولوں میں ایک غیرملکی زبان انگریزی داخل کی جارہی ہےاور مذہبی معلومات اور مذہبی تصورات جیسے جہاد، پاکیزگی، شرم وحیاء، عفت وعصمت کوختم کیا جارہا ہے حتیٰ کہ ان کومغربی یونیورسٹیوں سے تعلیم یافتہ علامہ اقبال کے نظریات بھی پسندنہیں، ان کوتعلیم کے شعبے سے ڈھونڈ ڈھونڈکرالگ کیا جارہاہےاب توسکولوں میں صبح کی اسمبلی میں بھی بچوں کی دعا''لب پہ آتی ہے دعا بن کےتمنامیری'' بھی پڑھنے کی اجازت نہیں ہے کہ یہ دہشت گردی پر مائل کرتی ہےاورامریکہ کو

ناپسند ہے۔

= یہ حملہ سیاسی بھی ہے کہ امریکہ بہادر اور اس کے اتحادی ہمارے سیاسی معاملات میں بہت زیادہ ملوث ہیں اور حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ اور نئے چہروں کو روشناس کرانے میں امریکی کارکردگی اور امریکی اہلکاروں کے سیاست دانوں سے ملاقاتوں کو بنیادی دخل ہوتا ہے۔

= یہ حملہ تکنیکی اور ٹیکنالوجی کے ذریعے بھی ہے کہ اب یہ بات عام ہے کہ امریکہ میں HAARP، (HIGH FREQUENCY ACTIVE AURAL RESEARCH PROGRAM) کے نام سے پینٹا گون میں پون صدی سے یہ کام شروع ہے تاکہ ساری دنیا میں اپنی برتری کو مضبوط کرنے کے لئے اس پہلو سے بھی دہشت پھیلا دی جائے۔ اس پروگرام کے تحت اپنی ٹیکنالوجی اور سائنسی معلومات (گوگل ارتھ، سیٹلائٹ معلومات وغیرہ) کے زور پر مصنوعی زلزے، بارشیں، سیلاب، ہواؤں کا رُخ تبدیل کرنا جیسے کام بھی اس میں شامل ہیں۔

مذہبی سکالر اور کچھ دیگر حضرات اس ضمن میں کچھ تحفظات رکھتے ہیں کہ یہ ساری مہم صرف پراپیگنڈا ہے اور عملاً ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ ہمیں ان سطور میں اس پر بحث کا آغاز نہیں کرنا مگر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ احادیث کی کتابوں میں باب الفتن میں جہاں ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی دجال سے متعلق احادیث مذکور ہیں وہاں اس دجال کے کارناموں میں یہ بھی ذکر ہے کہ وہ جہاں چاہے گا بارش برسا دے گا اور جہاں چاہے گا خشک سالی پیدا کر دے گا۔ لہٰذا ـــــــ ہم اس بات کو حقیقی مان کر دراصل اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کر رہے ہیں اس لئے کہ یہ دور بہرحال فتنۂ دجال ہی کا دور ہے۔

= یہ حملہ میڈیا (الیکٹرانک اور پرنٹ) کا حملہ بھی ہے کہ پراپیگنڈا کا ایک سیلاب ہے آیا ہوا ہے، مختلف چینلز، ریڈیو اسٹیشن، ٹی وی سٹیشن وغیرہ کے ذریعے چوبیس گھنٹے زہر اگل رہے ہیں اور ہمارے نوجوانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اسلام، پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ، قرآن، مسلمانوں، شعائر اسلام اور سنت رسول ﷺ غرض ہر نیکی کے کام پر تنقید ان کا شیوہ ہے اور ان کو اسی کی تنخواہ ملتی ہے۔ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے مخلص مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا میڈیا کے کارپردازوں کا مشغلہ ہے

اور یہ شیطانی اور ابلیسی کام اب ان میں سے اکثر کی فطرت بن چکا ہے۔

= یہ حملہ سفارتی حملہ بھی ہے NATO ممالک کے سفیر اور بالخصوص امریکہ کا سفارتی عملہ پہلے بھی کسی سفارتی آداب اور اخلاق سے نابلد ہی تھا مگر 2001ء کے بعد تو ان کا رویہ ایسا ہی ہے جیسے وہ ہمارے حاکم ہیں بلکہ کبھی کبھی وہ خدائی لہجہ میں بات کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دنیا فرعونوں، نمرودوں اور ابوجہلوں کے لہجے میں بولنے والے کے لئے عبرت کا گھر ہے۔ آج جو سفیر کسی پاکستانی نامور شخصیت سے ملتا ہے۔ چند ہفتے یا چند ماہ بعد وہ شخصیت امریکہ میں کسی عہدہ پر فائز نظر آتی ہے۔ ملک میں کوئی منصب سنبھال لیتی ہے یا امریکہ کے حق میں کوئی زہرناک بیان جاری کر رہی ہوتی ہے۔ اہل نظر جان لیتے ہیں کہ یہ اسی سابقہ ملاقات میں دیے گئے بریف کیس کا نتیجہ ہے۔ اہل دل اسی اندرونِ ملک امریکی کارو پردازوں کی چلت پھرت اور میل ملاقاتوں کو غالب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

؎ مگس کو باغ میں جانے نہ دیجیو
ناحق خون پروانے کا ہوگا

= یہ حملہ UNO کے ذریعے سے بھی ہے کہ پاکستان بھی بدقسمتی سے اس کا ایک ممبر ہے۔ پاکستان کا کوئی مسئلہ تو UNO آج تک حل نہیں کرا سکی مگر اس کے ذریعے پاکستان میں UNO کے وفود اور اہل کاروں کا آنا جانا کسی خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں۔ مختلف فلاحی اور امدادی کاموں کے روپ میں یہ بھیڑیے سادہ لوح عوام کا گمراہ کرنے خریدنے، مخبر بنانے کے علاوہ کچھ نہیں کرتے۔

= یہ حملہ ایک جادوئی (MAGIC) حملہ بھی ہے کہ امریکہ (اور NATO ممالک) ہمارے حکمرانوں کو HYPNOTIZE کر رہا ہے اور جادوئی انداز اختیار کیا ہے کہ ہمارا دشمن امریکہ ہمارا دوست بن کر ہماری ہی سرزمین استعمال کر کے، ہمارے ہی ائیر پورٹ اور رن وے استعمال کر کے، ہمارے ہاتھوں ہی لاجسٹک سپورٹ لے کر، ہمارے ہاتھوں میں سستا پٹرول/ڈیزل/ایویشن استعمال کر کے، ہمارے ہی بارڈر کے اندر ہمارے ہی شہریوں کو مار رہا ہے اور تباہ کر رہا ہے اور پوری قوم اور حکمران دیکھ رہے ہیں بلکہ ہمارے اخباری بیان یہ ہیں کہ یہ ہماری جنگ

ہے اور امریکہ یہ کام ہمارے فائدے کے لیے کر رہا ہے۔ ایسا کام اور ایسا نظارہ تو خواب میں بھی نظر آ جائے تو انسان جاگ جاتا ہے مگر نہ معلوم یہ جادوئی حملے کیسے ہیں کہ حکمران کسی طرح جاگنے یا انگڑائی لینے کا بھی نام نہیں لیتے۔

= یہ حملہ روایتی انداز کے ایک ہندو مسلم لڑائی کی طرح کا حملہ بھی ہے کہ ایک ہندو کسی مسلمان کے سینے پر چڑھ کر بیٹھا اس کو چاروں شانے چت کیے ہوئے تھا مگر رو بھی رہا ہے کسی نے پوچھا تو کہا کہ ابھی تو یہ مسلمان گرا پڑا ہے ابھی یہ اُٹھے گا تو مجھے بہت مارے گا امریکہ بھی ہمیں مار رہا ہے روزانہ درجنوں مسلمانوں کا خون ناحق ہماری سرزمین پر گر رہا ہے ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں سینکڑوں شہری روز ہلاک ہو رہے ہیں مگر ساتھ خبریں یہ بھی مسلسل آتی رہتی ہیں کہ امریکہ شکست کھا رہا ہے امریکہ بھاگ رہا ہے۔

اس انداز جنگ میں ایک فائدہ حملہ آور کو یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کے دلوں میں حملہ آور کے لئے غاصب، ظالم، بے غیرت ہونے کے احساسات کی بجائے ہمدردی کے جذبات ابھرتے ہیں اور یہی امریکہ کو مطلوب ہے کہ مسلمان مار کھاتے جائیں اور ساتھ ساتھ خوش بھی رہیں۔

= یہ حملہ مسلمانانِ پاکستان کے آمنے سامنے کے مقابلے اور کسی واقعی دشمن سے لڑنے اور ہارنے جیتنے والی جنگ کی طرح نہیں ہے بلکہ اس حملے میں روز ہماری نیک نیتی پر شک اور DO MORE کے تقاضے ہیں اور سابقہ تعاون کے فوائد ہماری توہین (INSULT) کرتے ہوئے ہمارے روایتی دشمن بھارت کو دیے جاتے ہیں اور یوں ہمارے حکمرانوں کی ان کی وفاؤں کا صلہ آنسوؤں کو بہانے کے مواقع پیدا کر کے دیا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے نوائے وقت کے ایک مضمون میں ایک معزز کالم نگار نے صحیح فرمایا تھا کہ بدقسمتی سے امریکہ ایسی گائے ہے کہ جس کو چارہ ڈالنا ہماری (پاکستان کی) ذمہ داری ہے جب کہ دودھ نکالنے (فوائد حاصل کرنے) کی بھارت کی.....ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

= یہ حملہ نفسیاتی بھی ہے اور اعصابی بھی کہ مسلمانوں کی 'انا' اور 'خودی' ختم کر دی جائے۔

ہمارے عزیز ملک پاکستان پر اتنے ہمہ جہتی حملے اور تمام ممکنہ اطراف سے اقدام کے باوجود ــــــــــ اگر پاکستان جیسا ترقی پذیر ملک دنیا کے نقشے پر موجود ہے تو ہمارے

نزدیک ایک انہونی بات ہے اور معجزہ سے کم نہیں ہے۔ نظیری نے کیا خوب کہا ہے:

خلاف رسم دریں عہد زخرقِ عادت داں
کہ کارہائے چنیں از شمار بوالعجبیست!

اور یہ صورت حال ہمارے قومی اور ملی جسد میں اسلامیت، احیائے خلافت کی امنگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے محبت کے کسی کم سے کم درجے کی ضرور نشاندہی کرتی ہے۔

پاکستان عالمی ابلیسی طاقتوں کے نرغے میں

1998ء سے پہلے سرد جنگ کے طور پر اور اس کے بعد گرم جنگ یا حقیقی جنگ کے انداز میں عالمی ابلیسی طاقتیں در پردہ بھی اور سامنے بھی عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان پر حملہ آور ہیں۔ یہ پاکستان ــــــــــ برطانوی ہند کے مسلمانوں (جو اس وقت 24 کروڑ بنگلہ دیش، 20 کروڑ بھارت، 18 کروڑ پاکستان میں سری لنکا، مالدیپ اور افغانستان ملا کر 65 کروڑ کے قریب تعداد بنتی ہے) کی گزشتہ ایک صدی کی امنگوں اور عزائم کا امین ہے اور علامہ اقبال کے خوابوں کی تعبیر ہے۔

ان سطور کا راقم نہ کوئی دفاعی ماہرین میں سے ہے کہ فوجی اعداد و شمار اور زمینی حقائق سے اندازہ لگا کر بتائے کہ اس جنگ کا انجام کیا ہوگا؟ نہ ہی راقم السطور کو کوئی عمل دخل حکومتی حلقوں سے ہے کہ کوئی براہ راست معلومات اپنے قارئین کے سامنے رکھ سکے۔ ان سطور میں صرف علامہ اقبال کے وژن (VISION) کے مطابق برطانوی ہند کے مسلمانوں کی مساعی اور اجتماعی احیائی عمل کے سفر میں 'حساب کم و بیش' کو سامنے لانا ہے کہ ہم اس سمت میں کتنا سفر طے کر چکے ہیں اور کتنا سفر باقی ہے۔

علامہ اقبال کا وژن (VISION)

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں جگہ جگہ مسلمانوں کو جاگنے اور عمل کرنے کا مشورہ دیا ہے اور ان کے شاندار مستقبل کی نوید سنائی ہے

نکل کر صحرا سے جس نے سلطنت روما کو الٹ دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

یا.....جواب شکوہ میں فرمایا:

؎ وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

؎ تا خلافت کا بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب و جگر

اس مقصد جلیلہ کے لیے انہوں نے مسلمان نوجوان کو جگایا، ابھارا، للکارا اور دشمنوں سے لڑ جانے کا سبق پڑھایا۔

محبت مجھے ان نوجوانوں سے ہے ستاروں پر جو ڈالتے ہیں کمند

اور اپنی جدجہد کا مقصد بلند ترین یعنی رضائے الٰہی کا حصول، سامنے رکھنے کا درس دیا

؎ در دشت جنوں من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

مسلمان قوم کی بے بضاعتی پر فرمایا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

محکوم و مجبور امت مسلمہ اور جابر و مستبد برطانوی عالمی استعمار ع لڑا دے ممولے کو شہباز سے تشبیہ دے کر حوصلہ دیا ہے۔

؎ جوانوں کو مری آہ سحر دے پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے

پھر جوانوں کو سادگی کا درس دیا

؎ ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ایرانی
لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

؎ کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

نظم طلوع اسلام میں فرمایا:

؎ عطا مؤمن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے

شکوہِ ترکمانی ، ذہن ہندی ، نطق اعرابی
سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اسلام کے آفاقی غلبےاورانسان کے روحانیت کی طرف سفر کی نسبت فرمایا

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

اپنے 1930ء کے خطبہ صدارت میں فرمایا تھا:

''میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو متحد ہو کر ایک واحد ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں جس کی اپنی حکومت ہو خواہ سلطنت برطانیہ کے تحت یا اس سے الگ۔ اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ متحدہ شمال مغربی ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے تقدیر مبرم ہے،''

علامہ اقبال نے مسلمان نوجوان کے لیے نہ صرف جذبوں کی آبیاری کی بلکہ اعلیٰ ترین نصب العین، جدوجہد کا طریق کار، قرآن سے لگاؤ اور سیرت خاتم النّبیین حضرت محمد ﷺ پر عمل اور آپ سے 'عشق' کو سرمایہ حیات قرار دیا بلکہ اس راستے کی مشکلات وموانع اور دشمنوں کی چالوں کی گہری پہچان کے لیے 'ابلیس کی مجلس شوریٰ' نامی نظم سپرد قلم کی، جو برطانوی سامراج کے دورِ عروج میں سوئی ہوئی مسلم قوم کے لیے شاعری کی زبان میں مغربی ابلیسی اور صیہونی چالوں کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔

اسلام کے انقلابی تصور کو واضح فرمایا کہ ابلیسی سوچ کے مطابق نہ کمیونزم ان کے لیے کوئی خطرہ ہے نہ انہیں جمہوریت سے خطرہ ہے نہ بادشاہت سے۔ خطرہ صرف اور صرف اسلام

سے ہے۔ اسلام کے حرکی اور انقلابی تصور کے مطابق حیات اجتماعی کے سماجی معاشی اور سیاسی گوشوں میں اسلام کی تعلیمات کو واشگاف الفاظ میں، سلبی انداز میں' ابلیس کی زبان سے یوں کہلوایا (اس سے واضح الفاظ میں اظہار مافی الضمیر دورِ غلامی میں ممکن نہ تھا)

؎ الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموس زن' مرد آزما' مرد آفریں

؎ اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں' اللہ کی ہے یہ زمیں

؎ کرتا ہے مال و دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

؎ موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فُغفُور و خاقاں' نے فقیرِ رہ نشیں

اسی نظم میں بزبان ابلیس علامہ اقبال نے پون صدی قبل چند خدشات ظاہر کیے تھے

؎ جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

؎ چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقین!

؎ عصر حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

الحمدللہ کہ آج 2010ء میں یہ تینوں ابلیسی باتیں خدشات سے بڑھ کر حقیقت کا روپ دھار چکی ہیں اور قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا اور حکمت دین کی تلاش پر مغرب و مشرق میں خاطر خواہ کام ہو رہا ہے، مسلمانوں میں بیداری، دین پر عمل اور جہادی جذبہ بیدار ہوا ہے اور مغربی طاقتوں کی اندھا دھند اسلام دشمنی (ان کی خواہشات کے علی الرغم) آج ــــــــــ مغرب کے ایوانوں میں اسلام کو آشکارا کر رہی ہے اور صیہونی و ابلیسی کاوشوں کے برعکس اسلام ڈنکے کی چوٹ پھیل رہا ہے۔

حاصل کلام

1910ء۔2010ء کی ایک صدی برطانوی ہند کے مسلمانوں کے لئے کامیابیوں کی ایک صدی ہے اور علامہ اقبال کے وژن (VISION) اور نظام خلافت کے قیام کی منزل کی طرف چابک دستی سے پیش قدمی کی صدی ہے۔ قومی اور اجتماعی زندگی میں ایک صدی کوئی زیادہ لمبا عرصہ نہیں ہے پھر بحیثیت مسلمان پوری دنیا میں اور برطانوی ہند کے مسلمانوں کی امانت کے حامل مسلمانانِ پاکستان نے اسی ایک صدی میں مثالی سفر طے کیا ہے۔

صرف فوری تقابل کے لئے مثال سامنے رکھیں تو 1897ء میں اسرائیل کے قیام کے منصوبے پر اتفاق سے لے کر 1997ء تک اسرائیل کو کیا حاصل ہوا جبکہ یہودی اس وقت بھی عالمی سطح پر معیشت کو کنٹرول کر رہے تھے اور بے شمار وسائل ان کی ملکیت تھے اور آج بھی ہیں مگر منصوبہ ناکام۔ ابھی بھی اسرائیل اپنے مقاصد کی طرف پیش رفت میں 'باؤلا' ہوا جا رہا ہے مگر حالات بتا رہے ہیں کہ اپنے منصوبوں میں ناکام ہی رہے گا اور یہی ناکامی کا داغ دل میں لئے راہی ملک عدم ہو جائے گا اور ہمیں بڑی خوشی ہوگی جب اپنے برادر ملک ایران کے صدر کی یہ خواہش پوری ہو جائے گی کہ اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

پاکستان اور برطانوی ہند کے مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں مثبت پیشرفت کا ہونا ایک یقینی اور اٹل معاملہ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس میں مزید کتنی دیر ہے یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔

پاکستان کا مستقبل ـــــ نظام خلافت

ایک محکوم و مجبور و مقہور قوم کا دشمنوں کے نرغہ میں رہتے ہوئے اتنی زبردست پیش رفت کرنا ہمارے لئے خوش قسمتی ہے۔ آئندہ 'شکوہ' نظم کے سو سال مکمل ہونے پر 1911ء۔2011ء خلافت اسلامی کا قیام پاکستان کا مقدر بنتا ہے یا 'جواب شکوہ' کے صد سالہ 1913ء۔2013ء جشن کے موقع پر، اللہ بہتر جانتا ہے۔ 1917ء میں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے آغاز سے مغرب میں ڈوبا ہوا خلافت کا یہ سورج پھر ایک صدی بعد (2017ء میں) مشرق سے ابھرتا ہے یا 1924ء میں کمال اتاترک کے مسلم قانون کا خاتمہ کر کے رومن لا اور اسلامی خلافت کے نظام کی جگہ جمہوریت کی

دلخراش یادوں کے سو سال مکمل ہونے پر۔ یا دسمبر 1930ء کے خطبہ الٰہ آباد میں علامہ اقبال کے برطانوی ہند کے مسلمانوں کے لیے دوقومی نظریہ کی بنیاد پر علیحدہ وطن کی تجویز کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر یہ معجزہ رونما ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

یہ مستقبل کی بات ہے۔ حالات جہاں پہنچ چکے ہیں ملک پاکستان کے حالات عالمی طاقتوں کے ہاتھوں مستقبل کی ایک ''سپر پاور'' بننے والے ملک کے طور پر MAKE-UP اور GROOMING کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ علامہ اقبال کے وژن اور اُمت مسلمہ کی امنگ کے مطابق وہ منزل آ کر رہے گی؛ اس لئے مسلمانانِ پاکستان کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے

؎ اُٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

دنیا سوشلزم، کیمونزم، جمہوریت، سرمایہ داری اور مادر پدر آزادی کے مہلک تجربات سے گزر چکی ہے اور اب فاطر فطرت کے فطرت انسانی کے عین مطابق عفت و عصمت، شرم و حیاء، پاکیزگی و پاکدامنی والا نظام جس میں عدل اجتماعی ہو انسانی مساوات ہو۔ رنگ، نسل، زبان، علاقہ اور جنس کی بنیاد پر انسانیت میں تفرقہ ختم ہو۔ کوئی بھوکا نہ سوئے اور کسی کی بیٹی کی عزت نہ لٹے۔ یہ مشرق و مغرب کے ہر باضمیر انسان کی آرزو ہے اور یہی اس دھرتی کا مقدر ہے۔ اس نظام کے رائج ہوئے اور اپنی برکات دکھائے بغیر END OF HISTORY ایک واہمہ اور دیوانے کے خواب اور خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ملک پاکستان کو مسلمانان ہند کے اجتماعی امنگ کا مصداق بنا دے اور خلافت کا جو سورج 1917ء میں مغرب میں غروب ہوا تھا اسے دوبارہ مشرق سے ایک صدی بعد طلوع فرما دے۔ آمین

؎ جہاں میں اہل ایماں بصورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

حکیم الامت علامہ محمد اقبال کی تصنیف لطیف

پیام مشرق

کا......دیباچہ

(مطبوعہ 1924ء)

علامہ محمد اقبال

''پیام مشرق'' کی تصنیف کا محرک جرمن ''حکیمِ حیات'' گوئٹے کا ''مغربی دیوان'' ہے جس کی نسبت جرمنی کا اسرائیلی شاعر ہائنا لکھتا ہے:

''یہ ایک گلدستۂ عقیدت ہے جو مغرب نے مشرق کو بھیجا ہے.................. اِس دیوان سے اِس امر کی شہادت ملتی ہے کہ مغرب اپنی کمزور اور سرد روحانیت سے بیزار ہو کر مشرق کے سینے سے حرارت کا متلاشی ہے۔''

گوئٹے کا یہ مجموعۂ اشعار جو اس کی بہترین تصانیف سے ہے اور جس کو اس نے خود ''دیوان'' کے نام سے موسوم کیا ہے' کن اثرات کا نتیجہ تھا اور کن حالات میں لکھا گیا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مختصر طور پر اس تحریک کا ذکر کیا جائے جس کو المانوی ادبیات کی تاریخ میں ''تحریکِ مشرقی'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

میرا قصد تھا کہ اس دیباچے میں تحریک مذکور پر کسی قدر تفصیل سے بحث کروں گا مگر افسوس ہے کہ بہت سا مواد جو اس کے لئے ضروری تھا ہندوستان میں دستیاب نہ ہو سکا۔ پال ہورن، تاریخ ادبیاتِ ایران کے مصنف نے اپنے ایک مضمون میں اس امر پر بحث کی ہے کہ گوئٹے کس حد تک شعرائے فارس کا ممنون ہے۔لیکن رسالہ نارواند سود کا وہ نمبر جس میں مضمون مذکور شائع ہوا تھا نہ ہندوستان کے کسی کتب خانے سے مل سکا نہ جرمنی سے۔مجبوراً اس دیباچے کی

تالیف میں کچھ تو گزشتہ مطالعہ کی یادداشت پر بھروسہ کرتا ہوں اور کچھ مسٹر چارلس ریمی کے مختصر مگر نہایت مفید اور کارآمد رسالے پر جو اُنہوں نے اس موضوع پر لکھا ہے۔

ابتدائے شباب ہی سے گوئٹے کی ہمہ گیر طبیعت مشرقی تخیلات کی طرف مائل تھی۔ سٹراس برگ میں جہاں وہ قانون کے مطالعہ میں مصروف تھا' اس کی ملاقات جرمن لٹریچر کی مشہور اور قابلِ احترام شخصیت ہرڈر سے ہوئی جس کی صحبت کے اثرات کو گوئٹے نے خود اپنے سوانح میں تسلیم کیا ہے۔ ہرڈر فارسی نہ جانتا تھا لیکن چونکہ اخلاقی رنگ اس کی طبیعت پر غالب تھا اس لئے سعدی کی تصانیف سے اسے نہایت گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ ''گلستان'' کے بعض حصوں کا اس نے جرمن زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ خواجہ حافظ کے رنگ سے اُسے چنداں لگاؤ نہ تھا۔ اپنے معاصرین کو سعدی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتا ہے ''حافظ کے رنگ میں ہم بہت کچھ نغمہ سرائی کر چکے۔ اس وقت سعدی کے تلمذ کی ضرورت ہے۔'' لیکن باوجود اس دلچسپی کے جو ہرڈر کو مشرقی لٹریچر سے تھی اس کے اپنے اشعار اور دیگر تصانیف پر مشرقی لٹریچر کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس گوئٹے کا دوسرا معاصر شلر بھی جو مشرقی تحریک کے آغاز سے پہلے ہی مر چکا تھا مشرقی اثرات سے آزاد ہے۔ گو اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس کے ڈراما ''توران دخت'' کا پلاٹ مولانا نظامی کے افسانہ دخترِ پادشاہ اقلیم چہارم (ہفت پیکر) سے لیا گیا ہے۔ جس کا آغاز مولانا نے اس شعر سے کیا ہے۔

گفت کز جملہ ٔ ولایتِ روس
بود شہرے بہ نیکوئی چو عروس

1812ء میں فان ہیمر نے خواجہ حافظ کے دیوان کا پورا ترجمہ شائع کیا اور اسی ترجمے کی اشاعت سے جرمن ادبیات میں مشرقی تحریک آغاز ہوا۔ گوئٹے کی عمر اس وقت 65 سال کی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ جرمن قوم کا انحطاط ہر پہلو سے انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ ملک کی سیاسی تحریکوں میں عملی حصہ لینے کے لئے گوئٹے کی فطرت موزوں نہ تھی اور یورپ کی عام ہنگامہ آرائیوں سے بیزار ہو کر اس کی بے تاب اور بلند پرواز روح نے مشرقی فضا کے امن وسکون میں اپنے لئے ایک نشیمن تلاش کر لیا۔ حافظ کے ترنم نے اس کے تخیلات میں ایک ہیجانِ عظیم برپا کر دیا' جس نے

آخرکار ''مغربی دیوان'' کی ایک پائیدار اور مستقل صورت اختیار کر لی مگر فان ہمیر کا ترجمہ گوئٹے کے لئے محض ایک محرک ہی نہ تھا بلکہ اس کے عجیب وغریب تخیلات کا ماخذ بھی تھا۔ بعض بعض جگہ اس کی نظم خواجہ کے اشعار کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتی ہے اور بعض جگہ اس کی قوتِ تخیل کسی خاص مصرع کے اثر سے ایک نئی شاہراہ پر پڑ کر زندگی کے نہایت دقیق او گہرے مسائل پر روشنی ڈالتی ہے۔ گوئٹے کا مشہور سوانح نگار بیل سوشکی لکھتا ہے:

''بلبل شیراز کی نغمہ پردازیوں میں گوئٹے کو اپنی ہی تصویر نظر آتی تھی۔ اس کو کبھی کبھی یہ احساس بھی ہوتا تھا کہ شاید میری روح ہی حافظ کے پیکر میں رہ کر مشرق کی سرزمین میں زندگی بسر کر چکی ہے۔ وہی زمینی مسرت، وہی آسمانی محبت، وہی سادگی، وہی عمق، وہی جوش وحرارت، وہی وسعتِ مشرب، وہی کشادہ دلی اور وہی قیود ورسوم سے آزادی! غرضکہ ہر بات میں ہم اسے حافظ کا مثیل پاتے ہیں۔ جس طرح حافظ لسان الغیب وترجمانِ اسرار ہے اسی طرح گوئٹے بھی ہے اور جس طرح حافظ کے بظاہر سادہ الفاظ میں ایک جہانِ معنی آباد ہے اسی طرح گوئٹے کے بیساختہ پن میں بھی حقائق واسرار جلوہ افروز ہیں۔ دونوں نے امیر وغریب سے خراج تحسین وصول کیا۔ دونوں نے اپنے اپنے وقت کے عظیم الشان فاتحوں کو اپنی شخصیت سے متاثر کیا (یعنی حافظ نے تیمور (1) کو اور گوئٹے نے نپولین کو) اور دونوں عام تباہی اور بربادی کے زمانے میں طبیعت کے اندرونی اطمینان وسکون کو محفوظ رکھ کر اپنی قدیم ترنم ریزی جاری رکھنے میں کامیاب رہے۔''

خواجہ حافظ کے علاوہ گوئٹے اپنے تخیلات میں شیخ عطار، سعدی، فردوسی اور عام اسلامی لٹریچر کا بھی ممنونِ احسان ہے۔ ایک آدھ جگہ ردیف وقافیہ کی قید سے غزل بھی لکھی ہے۔ اپنی زبان میں فارسی استعارات بھی (مثلاً ''گوہرِ اشعار''۔ ''تیرِ مژگاں''۔ ''زلفِ گرہ گیر'') بے تکلف استعمال کرتا ہے بلکہ فارسیت کے جوش میں امرد پرستی کی طرف اشارات کرنے سے بھی احتراز نہیں

(1) خواجہ حافظ اور تیمور کی ملاقات کی روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی؛ کیونکہ خواجہ کا انتقال تیموری فتح شیراز سے پہلے ہو چکا تھا۔

کرتا۔ دیوان کے مختلف حصوں کے نام بھی فارسی ہیں۔ مثلاً مغنی نامہ، ساقی نامہ، عشق نامہ، تیمور نامہ، حکمت نامہ وغیرہ۔ باوجود ان سب باتوں کے گوئٹے کسی فارسی شاعر کا مقلد نہیں اور اس کی شاعرانہ فطرت قطعاً آزاد ہے۔ مشرق کے لالہ زاروں میں اس کی نوا پیرائی محض عارضی ہے۔ وہ اپنی مغربیت کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیتا اور اس کی نگاہ صرف انہیں مشرقی حقائق پر پڑتی ہے، جن کو اس کی مغربی فطرت جذب کر سکتی ہے۔ عجمی تصوف سے اسے مطلق دلچسپی نہ تھی اور گوا سے یہ بات معلوم تھی کہ مشرق میں خواجہ حافظ کے اشعار کی تفسیر تصوف کے نقطۂ نگاہ سے کی جاتی ہے۔ وہ خود تغزلِ محض کا دلدادہ تھا اور کلامِ حافظ کی صوفی تعبیر سے اسے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مولانا روم کے فلسفیانہ حقائق و معارف اس کے نزدیک مبہم تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے رومی کے کلام پر غائر نگاہ نہیں ڈالی کیونکہ جو شخص سپونوزا (ہالینڈ کا ایک فلسفی جو مسئلہ وحدت الوجود کا قائل تھا) کا مداح ہو اور جس نے پرونو (اٹلی کا ایک وجودی فلسفی) کی حمایت میں قلم اُٹھایا ہو اس سے ممکن نہیں کہ رومی کا معترف نہ ہو۔

غرضیکہ ''مغربی دیوان'' کی وساطت سے گوئٹے نے جرمن ادبیات میں عجمی روح پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بعد کے شعراء پلاٹن، روکرٹ اور بوڈن سٹاٹ نے اس مشرقی تحریک کو جس کا آغاز گوئٹے کے دیوان سے ہوا، تکمیل تک پہنچایا۔ پلاٹن نے ادبی اغراض کے لئے فارسی زبان سیکھی، قافیہ ردیف بلکہ ایرانی عروض کے قواعد کی پابندی سے غزلیں لکھیں، رباعیاں لکھیں اور نپولین پر ایک قصیدہ بھی لکھا، گوئٹے کی طرح فارسی استعارات مثلاً 'عروس گل'، 'زلف مشکیں'، 'لالہ عذار' کو یہ بھی بے تکلف استعمال کرتا ہے اور تغزلِ محض کا دلدادہ ہے۔ روکرٹ عربی، فارسی، سنسکرت تینوں زبانوں کا ماہر تھا، اس کی نگاہ میں فلسفہ رومی کی بڑی وقعت تھی اور اس کی 'غزلیات' زیادہ تر مولانا روم ہی کی تقلید میں لکھی گئی ہیں۔ چونکہ السنۂ مشرقیہ کا عالم تھا اس لئے اس کی مشرقی نظم کے مواخذ بھی وسیع تر تھے۔ مخزن الاسرار نظامی، بہارستانِ جامی، کلیاتِ امیر خسرو، گلستانِ سعدی، مناقب العارفین، عیار دانش، منطق الطیر، ہفت قلزم وغیرہ جہاں جہاں سے حکمت کے موتی ملتے ہیں رول لیتا ہے۔ بلکہ اسلام سے پہلے کی ایرانی روایات و حکایات سے بھی اپنے کلام کو زینت دیتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے بعض واقعات بھی اس نے خوب نظم کیے ہیں۔ مثلاً محمود غزنوی

کی موت، محمود کا حملہ سومنات، سلطانہ رضیہ وغیرہ۔ گوئٹے کے بعد مشرقی رنگ کا سب سے زیادہ مقبول شاعر بوڈن سٹاٹ ہے جس نے اپنی نظموں کو مرزا شفیع کے فرضی نام سے شائع کیا۔ یہ چھوٹا سا مجموعہ اس قدر مقبول ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں 140 دفعہ شائع ہوا۔ اس شاعر نے عجمی روح کو اس خوبی سے جذب کیا ہے کہ جرمنی میں مرزا شفیع کے اشعار کو لوگ دیر تک فارسی نظم کا ترجمہ تصور کرتے رہے۔ بوڈن سٹاٹ نے امیر معزی اور انوری سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں میں نے گوئٹے کے مشہور معاصر ہائنا کا ذکر ارادۃً نہیں کیا۔ اگرچہ اس کے مجموعہ اشعار موسوم بہ ''اشعار تازہ'' میں عجمی اثر نمایاں ہے اور محمود و فردوسی کے قصے کو بھی اس نے نہایت خوبی سے نظم کیا ہے۔ تاہم بحیثیتِ مجموعی مشرقی تحریک سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس کی رائے میں گوئٹے کے ''مغربی دیوان'' کے سوائے جرمن شعراء کا مشرقی کلام کوئی بڑی وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن عجمی جادو کی گرفت سے جرمنی کے اس آزادہ رو شاعر کا دل بھی بچ نہ سکا۔ چنانچہ ایک مقام پر اپنے آپ کو عالم خیال میں ایک ایرانی شاعر تصور کرتے ہوئے جس کو جرمنی میں جلاوطن کر دیا گیا ہو لکھتا ہے:

> ''اے فردوسی! اے جامی! اے سعدی! تمہارا بھائی زندانِ غم میں اسیر شیراز کے پھولوں کے لئے تڑپ رہا ہے۔''

کم درجے کے شعراء میں خواجہ حافظ کا مقلد ڈومر، ہرمن سٹال، لوشکے، سٹائگ لٹز، لنٹ ہولڈ اور فان شاک بھی قابلِ ذکر ہیں۔ موخر الذکر علمی دنیا میں اونچا پایہ رکھتا تھا۔ اس کی نظمیں قصۂ انصاف محمود غزنوی اور قصۂ ہاروت و ماروت مشہور ہیں اور بحیثیت مجموعی اس کے کلام میں عمر خیام کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن مشرقی تحریک کی پوری تاریخ لکھنے اور جرمن اور ایرانی شعراء کا تفصیلی مقابلہ کر کے عجمی اثرات کی صحیح وسعت معلوم کرنے کے لئے ایک طویل مطالعہ کی ضرورت ہے جس کے لئے نہ وقت میسر ہے نہ سامان، ممکن ہے کہ یہ مختصر سا خاکہ کسی نوجوان کے دل میں تحقیق و تدقیق کا جوش پیدا کر دے۔

''پیامِ مشرق'' کے متعلق جو ''مغربی دیوان'' سے سو سال بعد لکھا گیا ہے مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ اس کا مدعا زیادہ تر ان اخلاقی مذہبی اور

ملّی حقائق کو پیشِ نظر لانا ہے جن کا تعلق افراد واقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔اس سے سو سال بیشتر کی جرمنی اور مشرق کی موجودہ حالت میں کچھ نہ کچھ مماثلت ضرور ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقوام عالم کا باطنی اضطراب جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہم محض اس لیے نہیں لگا سکتے کہ خود اس اضطراب سے متاثر ہیں ایک بہت بڑے روحانی اور تمدنی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ یورپ کی جنگ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے اور اب تہذیب وتمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے' جس کا ایک دُھندلا سا خاکہ ہمیں حکیم آئن سٹائن اور برگسان کے تصانیف میں ملتا ہے۔ یورپ نے اپنے علمی، اخلاقی اور اقتصادی نصب العین کے خوفناک نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے ہیں اور سائنزینٹی (سابق وزیراعظم اطالیہ) سے ''انحطاطِ فرنگ'' کی دلخراش داستان بھی سن لی ہے۔لیکن افسوس ہے کہ اس سے نکتہ رس مگر قدامت پرست مدبرین اس حیرت انگیز انقلاب کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے جو انسانی ضمیر میں اس وقت واقع ہو رہا ہے۔ خالص ادبی اعتبار سے دیکھیں تو جنگ عظیم کی کوفت کے بعد یورپ کے قوائے حیات کا اضمحلال ایک صحیح اور پختہ ادبی نصب العین کی نشوونما کے لئے نامساعد ہے۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ اقوام کی طبائع پر وہ فرسودہ، سست رگ اور زندگی کی دشواریوں سے گریز کرنے والی عجمیت غالب نہ آ جائے جو جذباتِ قلب کو افکارِ دماغ سے متمیز نہیں کر سکتی۔ البتہ امریکہ مغربی تہذیب کے عناصر میں ایک صحیح عنصر معلوم ہوتا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ ملک قدیم روایات کی زنجیروں سے آزاد ہے اور اس کا اجتماعی وجدان نئے اثرات وافکار کو آسانی سے قبول کر سکتا ہے۔

مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے مگر اقوام مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَایُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ﴾ کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے' زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنے فارسی

تصانیف میں اسی صداقت کو مدنظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالک مشرق میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافیائی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو، قابل احترام ہے۔ اسی بنا پر میں نے ان چند اوراق کو اعلیٰ حضرت فرمانروائے افغانستان کے نامِ نامی سے منسوب کیا ہے کہ وہ اپنی فطری ذہانت و فطانت سے اس نکتے سے بخوبی آگاہ معلوم ہوتے ہیں اور افغانستان کی تربیت انہیں خاص طور پر مدنظر ہے۔ اس عظیم الشان کام میں خدا تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔

آخر میں اپنے دوست چودھری محمد حسین صاحب ایم اے کا سپاس گذار ہوں کہ اُنہوں نے ''پیام مشرق'' کے مسودات کو اشاعت کے لئے مرتب کیا۔ اگر وہ یہ زحمت گوارا نہ کرتے تو غالباً اس مجموعے کی اشاعت میں بہت تعویق ہوتی۔

اقبال

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ ؓ ، سوز ِصدیق ؓ دے
جگر سے وہی تیر پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر
جوانوں کو سوز ِجگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے

حضرت علامہ اقبال کی ممدوح
اقوام یورپ میں باضمیر قوم ـــــ جرمن قوم
جغرافیائی، تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی پس منظر

انجینئر مختار فاروقی

انسانوں کی طرح قوموں کا بھی ایک مزاج ہوتا ہے۔ فرد انسانی کی طرح قومیں بھی سوتی اور جاگتی ہیں زندہ ضمیر اور بے ضمیر بھی ہوتی ہیں۔ قومیں زندہ بھی ہو جاتیں ہیں اور مر بھی جاتی ہیں۔ چند مستثنیٰ پہلوؤں کو الگ کر کے دیکھیں تو اجتماعیت یا قومیں بھی فرد واحد کی طرح عمل کرتی ہیں اور ردِ عمل کا مظاہرہ بھی کرتی ہیں۔ یہ اجتماعیت نظریاتی بھی ہوتی ہے اور غیر نظریاتی بھی۔ رنگ و نسل، علاقہ، زبان، ثقافت اور جغرافیائی تقسیم کی بنیاد پر بھی اجتماعیتیں ہیں۔ ان میں کئی اجتماعیّتوں پر لفظ قوم کا اطلاق ہوتا ہے اور کئی اجتماعیّتوں پر اس لفظ کا اطلاق محل نظر ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے قوموں کے اس مزاج کے بارے میں چھٹے پارے کے آخر میں ایک تقابلی جائزہ دے دیا ہے جس سے ایک مسلمان کے لئے اقوام عالم اور دیگر اجتماعیّتوں کے مزاج کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (المائدۃ۔82)

''(اے پیغمبر) تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مؤمنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے۔''

ان مذہبی قوموں کے افراد اپنے اچھے برے اعمال کے مطابق دیکھے جائیں گے مگر قرآن پاک کے مطابق مشرکین اور یہود مسلمانوں کے بارے میں سخت نفرت، بغض اور انتہائی دشمنی کے جذبات رکھتے ہیں جبکہ ــــــــــــ نصاریٰ ان دونوں کے مقابلے میں اسلام دشمنی قرآن دشمنی اور مسلم دشمنی میں ذرا کم ہیں۔ اس تقابلی جائزے میں آج سے 1400 سال پہلے کے ''نصاریٰ'' میں اور آج کے نصاریٰ میں بھی فرق ہوگا۔ تاہم یہ قیمتی اُصول قرآن پاک کا ہی دیا ہوا ہے۔ اقوام یورپ بنیادی طور پر مسیحی مذہب کی حامل ہیں اور نصاریٰ کہلاتے ہیں تاہم ان نصاریٰ میں سے بھی ایک عام مشاہدے کے اُصول کی رو سے

نہ ہر زن زن ست و نہ ہر مرد مرد
کہ خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

سب نصاریٰ ایک جیسے نہیں ہوں گے۔ مسلمانوں کے لئے آج کے نصاریٰ میں سے ایک بڑا گروہ جو دیگر یورپی ترقی یافتہ اقوام کے مقابلے میں مسلمانوں کے بارے میں زیادہ نرم گوشہ رکھتا ہے ہمارے نزدیک وہ جرمن قوم ہے۔

علامہ اقبال آج سے ایک صدی قبل یورپ تشریف لے گئے تھے اور آپ نے کئی ممالک کو دیکھا تھا اور کئی قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا تاہم فرانسیسی، ڈچ برطانوی، اطالوی اور دیگر شمالی یورپی ممالک کے مقابلے میں مشرقی یورپ کا ملک جرمنی کو ــــــــــــ آپ نے ایک منفرد ملک اور جرمن قوم کو ایک منفرد قوم پایا آپ نے جرمن قوم کو ایک اسلام دوست، علم دوست، حقیقت کے متلاشی اور حق کو قبول کرنے والی قوم پایا۔

ان باتوں کا بخوبی اندازہ علامہ اقبال کے اشعار کے منفرد مجموعے ''پیام مشرق'' کے اشعار میں ہر قاری کو ہو جاتا ہے مزید برآں علامہ اقبال نے پیام مشرق کا جو دیباچہ تحریر فرمایا اس کے بین السطور جذبات کا ایک سمندر موجزن ہے۔ علامہ اقبال اس جرمن قوم میں اٹھارویں صدی کے خدا بیزار خدا ناشناس مغربی افکار کے سیلاب میں ''تحریک مشرقی'' کو ''اُمید کی کرن'' اور یورپ کے ایک کونے میں دھندلا سا ہی ــــــــــــ ایک لائٹ ہاؤس (LIGHT HOUSE)

سمجھ رہے تھے۔

اٹھارویں صدی میں صہیونی اور یہودی ذہن نے دین اور سیاست میں جدائی پیدا کردی تھی اور مذہب اور ریاست مدمقابل آ گئے تھے، خداپرستی اور خداشناسی یورپی معاشرے میں ایک کھوٹا سکہ شمار ہونے لگا تھا، اعلیٰ علمی حلقوں میں اور فلسفیانہ سطح پر یورپ سیکولرازم، سیکولر جمہوریت اور سیکولر معاشرے کی بنیاد رکھ چکا تھا اور یہی کام زیادہ سکون کے ساتھ بہت دور امریکہ میں بیٹھ کر یہی یہودی اور صہیونی لابی منظّم انداز میں بھی آگے بڑھا رہی تھی۔ ایک مثال بطور اشارہ کافی ہے کہ امریکہ میں طویل خانہ جنگی کے بعد برطانیہ سے آزادی حاصل کی گئی (جو برطانیہ آج اسی امریکہ کا طفیلی ہے) اور جمہوریت قائم ہوئی۔ آئین بنا، 1776ء کا سال امریکہ کی آزادی کا سال ہے امریکہ کرنسی ڈالر ہے اور ایک ڈالر کے نوٹ پر (تاکہ غریب سے غریب امریکی کے ہاتھ میں یہ پیغام ہر وقت رہے اور اس کی جیب میں محفوظ ہو) آج بھی ORDO NOVO SECLORUM کے الفاظ کندہ ہیں اور 1776ء کا سن درج ہے۔

اس ماحول میں جرمن ذہن کا ایک فلسفی KANT (1722ء۔1804ء) اخلاقی اُصول، ضمیر اور REALITY کے لئے لڑ رہا تھا اور خالص عقلیت پرستی کے خلاف سینہ سپر تھا اُس نے "CRITIQUE OF PURE REASON" لکھ کر عقلیت پرستی کا منہ بند کر دیا مگر یہودی اور صہیونی طاقتوں کے در پردہ دباؤ اور عزائم کے سامنے یہ فکر پنپ نہ سکا اور دم توڑ گیا۔

اس پس منظر میں جرمنی کا شاعر گوئٹے اور اس سے پہلے دیگر دانشور ترکی، ایران، افغانستان میں اسلام اور اسلامی لٹریچر میں جاری و ساری خداپرستی اور خداشناسی کے جذبات کے اسیر ہو چکے تھے۔ یاد رہے کہ شاعری، ادب (لٹریچر) آرٹ، فن تعمیر وغیرہ کسی قوم کے نظریات و اعتقادات کا ہی عکس ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی شاعری اور ادب کا جرمن دانشور طبقہ اسیر ہو رہا تھا تو وہ دراصل اسلام کے الہامی نظریات و عقائد ہی تھے اور "KANT" کی سوچ ہی تھی جو کہیں پروان چڑھ رہی تھی۔

اس ''تحریک مشرقی'' کا سحر تھا جو علامہ اقبال کے جرمنی کے قیام میں ایران کی تاریخ کے مطالعے کے دوران ان کے سامنے آیا (یاد رہے ایران، افغانستان، پاکستان ماضی میں ہمیشہ

اس طرح نہیں رہے جیسے آج ہیں ان کی سرحدیں، ادلتی بدلتی رہی ہیں ایران کا بادشاہ نادرشاہ آج کے جنوبی افغانستان پاکستان سمیت دہلی تک کا حکمران تھا، احمد شاہ ابدالی کا دارالحکومت قندھار تھا اور دہلی تک حکمرانی کر رہا تھا) جس سے آپ کی سوچ کے کئی اور دریچے کھل گئے۔ جرمنی جیسے یورپی ملک میں ''فلسفہ عجم'' اور ایران میں مذہبی رجحانات کی تاریخ پڑھنا، اس پر کتاب لکھنا اور اس پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملنا ــــــــــ یہ واقعات اس بات کے غماز ہیں کہ جرمنی میں ان مسلمان ممالک کے بارے میں ایک ہمدردانہ سوچ پائی جاتی تھی۔ وہاں علامہ اقبال کے نام سے ایک شاہراہ موسوم کی گئی جو آج بھی موجود ہے۔

جرمنی میں تحریک مشرقی کا اجراء اور فروغ ــــــــــ جدید یورپ میں ایک منفرد واقعہ ہے اور اس کا ماضی کے دھندلکوں میں پھیلا ہوا ایک حیران کن پس منظر ہے جس کی طرف پاک و ہند کے مسلمانوں کی نگاہیں نہیں اُٹھ سکیں۔ یہ پس منظر ماضی کی کم از کم تین صدیوں پر محیط ہے۔ آج کی جرمن قوم کے اس ماضی میں جھانک کر دیکھیں تو یہ منظر روز روشن کی طرح واضح بھی ہے اور حقیقی بھی۔ اس پہلو کو سامنے نہ لانے کی سب سے بڑی وجہ جرمنی کے روایتی حریف برطانیہ کا افریقہ، جنوبی ہند اور مشرق وسطی پر تسلط ہے جس کے ہم غلام تھے اور بالعموم ہمارے دانشور اور نوجوان برطانوی درسگاہوں تک ہی رسائی حاصل کرتے رہے یا آج امریکہ جا رہے ہیں۔ یہ بات فطری ہے کہ یہ برطانیہ اپنے دشمن جرمنی کے بارے میں عوامی سطح کی معلومات اور تعلیمی اداروں کے ماحول کی کتابوں کے مواد میں وہی معلومات دے سکتا تھا جو اس کے مفاد میں ہوں۔

جرمنی ــــــــــ برطانیہ دشمنی واضح طور پر پہلی جنگ عظیم (1914ء-1918ء) سے ربع صدی قبل سے لے کر 1990ء میں دوسری جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست کے بعد تقسیم جرمنی کی واضح لکیر کے طور پر بنائی گئی دیوار برلن کے گرنے تک قائم رہی ہے۔ چونکہ ہمارا ماضی قریب تحریک آزادی، قیام پاکستان اور اس کے بعد کے ساٹھ سال زیادہ تر اسی دور کے ہیں؛ لہٰذا ــــــــــ ہمارے ذہنوں پر بھی برطانیہ جرمنی مخاصمت کی وجہ سے تالے پڑے رہے اور عوامی سطح پر کوئی دریچہ اس طرف کھل نہیں سکا۔

مسلمان اور جرمن قوم کے باہمی تعلقات (INTERACTION) کی اس تاریخ پر گفتگو کرتے ہوئے ہم درج ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ (ہماری معلومات کم ہیں۔ اہل علم اور دانشور طبقہ کے باصلاحیت لوگ اس میں آگے بڑھیں گے تو مزید پہلو بھی سامنے آتے چلے جائیں گے۔)

1۔ جغرافیائی پہلو
2۔ تہذیبی اور ثقافتی پہلو
3۔ تاریخی پہلو
4۔ معاشی/سیاسی پہلو
5۔ صہیونی عزائم

آیئے ان پہلوؤں پر ترتیب وار گفتگو کرتے ہیں

1۔ عالم اسلام اور جرمنی ـــــ جغرافیائی پہلو

جغرافیائی پہلو پر گفتگو کا تقاضا ہے کہ ہم پہلے یورپ، افریقہ اور ایشیا کے نقشے کو نگاہوں کے سامنے کرلیں تاکہ بحث کا مقصد سمجھنے میں آسانی پیدا ہو سکے۔

01۔ یورپ کے نقشے پر نگاہ مرکوز کریں تو سب سے اوپر علیحدہ ملک UK یا برطانیہ ہے اس سے دائیں طرف ذرا فاصلے پر سکینڈے نیوین ممالک یعنی ناروے، سویڈن اور ڈنمارک وغیرہ ہیں۔ نیچے کی طرف آئیں تو براعظم یورپ کا بڑا حصہ شروع ہوتا ہے۔

برطانیہ سے نیچے چھوٹا سا ملک بلجیم ہے بائیں طرف نیچے فرانس ہے مزید بائیں طرف سپین ہے جسے ماضی میں ہسپانیہ بھی کہا جاتا تھا اور مسلم عہد 711ء تا 1492ء میں اندلس کہا جاتا تھا (یورپ کے نقشہ سے کسی مسلم دشمن غیبی قوت نے ملک کا نام ہی بدل دیا تاکہ نقشہ دیکھتے ہی احساس نہ ہو کہ یہاں کبھی مسلمان بھی آباد تھے اور آٹھ صدیاں حکمران رہے ہیں مسلمان نوجوان اپنی تاریخ میں اندلس کا پڑھ کر نقشے دیکھتا پھرے اُسے اس کا نام کا ملک کہیں نہیں ملے گا) اس سے مغربی طرف پرتگال ہے۔

بلجیم سے دائیں طرف آج کا جرمنی ہے نیچے کی طرف اٹلی ہے یاد رہے کہ اٹلی کے اندر

ہی چھوٹی سی سلطنت ویٹی کن ہے جو عیسائیت کا عالمی مرکز ہے اور عیسائی مذہب کا پوپ اعظم وہیں بیٹھتا ہے۔ عیسائیت کے فروغ اور نگرانی کا کام یہیں سے ہوتا ہے اس سلطنت اور اس کے تحت چلنے والی عالمی مسیحی مشنری چرچ اور سکولوں کے اخراجات یورپی مسیحی ممالک مل کر پورا کرتے ہیں (یہ ممالک بظاہر سیکولر اور آزاد خیال ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں)

جرمنی کے دائیں طرف بولینڈ، چکوسلواکیہ، کروشیا، رومانیہ، بوسنیا، ہرزگووینا اور کئی چھوٹے چھوٹے ممالک ہیں۔ یورپ کا شمال مشرقی حصہ ایشیا میں روس سے ملحق ہے اور شمالی ترکستان کہلاتا ہے جبکہ مشرقی حصہ میں ترکی، یونان اور قبرص آتے ہیں۔ ملک ترکی کا کچھ حصہ یورپ براعظم میں ہے اور کچھ حصہ براعظم ایشیا میں ہے۔

براعظم یورپ سے نیچے بحیرہ روم پھیلا ہوا ہے سپین سے نیچے یورپ براعظم افریقہ سے ملا ہوا ہے، سمندر کی چوڑائی 30-40 کلومیٹر ہے۔ (یہیں جبل الطارق ہے جہاں 711ء میں مسلم جنرل طارق بن زیادہ رحمہ اللہ شمالی افریقہ سے یورپ میں داخل ہوا تھا اور کشتیاں جلا کر داخل ہوا تھا کہ ہمارا واپس جانے کا ارادہ نہیں یا فاتح ہوں گے یا مر جائیں گے اسی کے بعد سپین کی مسلم سلطنت قائم ہوئی اور آٹھ صدیاں یورپ میں علم کی روشنی پھیلاتی رہی جبکہ یورپ ظلمت و جہالت کی DARK AGES میں تھا)۔

شمالی افریقہ کے ممالک میں دائیں طرف مصر ہے پھر لیبا، پھر الجزائر اور مراکش ہیں (لیبا اور الجزائر کے جنوبی حصے میں دنیا کا سب سے بڑا صحراء صحرائے اعظم ہے) نیچے بہت سے چھوٹے چھوٹے مسلم ممالک ہیں جنوبی افریقہ کے ممالک میں مسلمان کم اور عیسائیت زیادہ ہے۔ بحیرہ روم کے مشرق کی طرف اسرائیل (فلسطین) ہے پھر لبنان، شام اور اوپر ترکی کا حصہ لگتا ہے۔ ان ممالک سے مزید مشرق کی طرف آئیں اسے مشرق وسطی کہتے ہیں یہ ممالک اردن، عراق ــــــــــ نیچے کی طرف کویت اور امارات ہیں۔

اس سے نیچے سعودی عرب ہے مزید نیچے کی طرف جزیرہ نمائے عرب میں یمن (شمالی یمن اور جنوبی یمن) اور اومان ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب کے مغرب میں بحیرہ قلزم ہے جو مصر اور سعودی عرب کے درمیان

واقع ہے۔مشرقی طرف خلیج فارس ہے،ایران کی سلطنت ہے ترکی سے مشرق کی طرف اوپر روسی علاقہ جات ہیں جو کبھی USSR کہلاتا تھا آج آزاد مسلم ریاستیں ہیں پھر مشرق کی طرف افغانستان ہے پھر پاکستان،اس سے مشرق کی طرف کشمیر اور بھارت ہے۔ بھارت سے مشرق کی طرف مسلم ملک بنگلہ دیش ہے جو 1971ء سے پہلے مشرقی پاکستان کہلاتا تھا۔ بھارت سے نیچے جنوب کی طرف سری لنکا ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ساتھ جزائر مالدیپ ایک خوشحال مسلمان ریاست ہے۔

برطانیہ (دراصل جزائر برطانیہ ہیں) کو چاروں طرف سے سمندر لگتا ہے،فرانس کو شمال اور جنوب میں طویل ساحل میسر ہے۔اٹلی کو جنوبی ساحل میں بحیرہ روم تک رسائی ہے۔ پرتگال کو مغربی طرف بحیرہ دقیانوس میں طویل ساحل لگتا ہے۔ساحلی علاقہ لگنے سے ماضی میں اور آج بھی سمندری تجارت کے مواقع کا میسر ہیں۔بحیرہ روم اور پرتگال کے ساحل گرم سمندر ہیں اور سارا سال تجارت ہوسکتی ہے جبکہ برطانیہ کے شمالی اور مشرقی حصہ میں سمندر منجمد ہو جاتا ہے اور جنوبی حصہ میں سارا سال تجارت ہوسکتی ہے۔سکنڈے نیوین ممالک میں سمندر منجمد ہو جاتا ہے اور سال کے چند ماہ ہی سمندری تجارت ممکن ہوتی ہے۔

جرمنی ملک کو شمالی طرف مختصر سا سمندر لگتا ہے اور اس میں سارا سال تجارت نہیں ہوسکتی۔ پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کے دوران تجارت کے لئے جانے والے سمندری جہازوں کو دشمن برطانیہ اور فرانس کی نیوی سے واسطہ پڑتا تھا۔

جرمنی اور اس کے ملحقہ ممالک سے مختصر تعارف کے بعد اب جرمنی کے مسلمانوں سے تعلقات کا جغرافیائی پہلو سامنے آسکے گا۔

جرمنی زمینی طور پر مشرق کے آج کے یورپی مسلمان ممالک ترکی،ایران،افغانستان، اردن،عراق اور سعودی عرب سے جڑا ہوا تھا، جرمنی کے لوگ ان علاقوں میں زمینی راستوں سے (BY ROAD) منسلک ہیں اور جہاں ریلوے کا نظام آ گیا تھا وہاں سفر بڑا آسان تھا اور یہ سہولت صدیوں سے میسر تھی؛ لہٰذا ــــــــــــــ ان علاقوں کے باشندوں کا آپس میں میل

جول، تجارت اور رابطے صدیوں کی تاریخ رکھتے تھے۔ ان رابطوں سے یہاں کے عوام ایک دوسرے کو جانتے اور ایک دوسرے کے رجحانات وخیالات اور ماضی سے واقف تھے۔

صرف تقابلی جائزے کے لئے چند لمحے اس پر غور فرمائیں کہ جرمنی کے برعکس برطانیہ فرانس، اٹلی کو مشرق وسطی، عثمانی سلطنت اور جنوبی ہند سے رابطے میں جغرافیہ حائل ہے کوئی براہ راست آسان زمینی یا سمندری راستہ نہیں تھا۔ پرتگالی انڈونیشیا، ملائیشیا گئے تو جنوبی افریقہ راس امید ہو کر واپس خلیج فارس، سری لنکا اور پھر وہاں پہنچے۔ اسی طرح برطانیہ کو بنگال پہنچنے کے لئے 7000 یا 8000 میل کا سفر طے کرنا پڑتا تھا۔

جغرافیہ نے برطانیہ فرانس، اٹلی، پرتگال کے لئے صنعتی انقلاب کے بعد سلطنت عثمانیہ کی صورت میں متمدن دنیا سے رابطے میں مشکلات پیدا کی ہوئی تھیں۔

تہذیبی اور ثقافتی پہلو

اسلام یورپ میں مغرب کی طرف سپین سے تو آٹھویں صدی میں ہی آ گیا تھا اور آٹھ صدیاں چھایا رہا۔ غرناطہ اشبیلہ وغیرہ کی مسلم تہذیب کی تعمیرات آج بھی یورپی ماہرین اور انجینئرز کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ مسجد قرطبہ اور الحمراء کا محل سیاحوں کے لئے بے پناہ کشش رکھتا ہے۔

یورپ میں مشرق کی طرف سے اسلام کے داخلہ میں رومی سلطنت حائل تھی کیونکہ ایشیا اور یورپ کے اتصال پر ہی اس سلطنت کا دارالحکومت تھا اور قسطنطنیہ بہت مضبوط قلعہ تھا اور عیسائیت کا بھی مرکز تھا۔ قبرص اور بعض یونانی علاقے ابتدائے اسلام ہی میں فتح ہو گئے تھے مگر یورپ میں اسلام عثمانیوں/ترکوں کے دور میں وارد ہوا۔ پہلے قسطنطنیہ کے مغربی علاقوں سے مسلمان اندر تک گھس گئے اور سلطنت قائم کر لی۔ رومی سلطنت بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ بالآخر مشہور ترک حکمران سلطان محمد فاتح نے ہمت کر کے 1453ء میں قسطنطنیہ فتح کر لیا جس سے یورپ میں داخلے کا 'شاہدرہ' اسلام کے لئے کھل گیا۔ چنانچہ مسلمان افواج ایک وقت میں سارا مشرقی یورپ اٹلی، جرمنی سمیت فرانس میں پیرس کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔

موجودہ جرمنی تک کا علاقہ تین صدیاں عثمانیوں کے زیر نگین رہا۔ سپین میں مسلم دورِ

حکومت کی طرح عثمانی حکومت کا دور بھی آسودگی، خوشحالی، فراوانی، علم دوستی، اقلیتوں سے حسن سلوک اور رحمدلی کا دور تھا۔ مسلمانوں کے اس فراخدلانہ طرزِ عمل سے مشرقی یورپ کے ان علاقوں کے باسی مسلمانوں سے مخاصمانہ کی بجائے دوستی اور انسانی ہمدردی کے لازوال رشتوں سے وابستہ ہوگئے۔ اس دوستی اور رابطوں (INTERACTION) کے نتیجے میں اسلام پھیلا اور سترہویں صدی تک مشرقی یورپ کے بیشتر لوگ مسلمان ہوگئے۔ اس طرح موجودہ جرمن قوم سے مسلمانوں کے روابط اور دوستی کا رشتہ گزشتہ پانچ صدیوں کی تاریخ رکھتا ہے اور اس علاقے کے مسلمان تو مسلمان ہیں، غیر مسلم بھی عثمانی دورِ حکومت کے انسان دوست اور اقلیتوں سے حسن سلوک کی بنا پر اچھے تأثرات رکھتے ہیں۔ بوسنیا، ہرزگووینا میں گزشتہ تین عشروں سے عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کی نسل کشی جاری ہے تاہم مسلمان پھر بھی اسلام پر قائم اور ڈٹے ہوئے ہیں۔ حال ہی میں آزاد ہونے والی ریاست کوسووا (KOSOVA) دنیا میں 58ویں آزاد مسلم ریاست ہے۔

اس طرح تہذیبی رشتوں کے ساتھ مشرقی یورپ (حالیہ جرمنی وغیرہ) کے یہ علاقے عثمانی عہد سے مسلمانوں کے ساتھ تہذیبی اور ثقافتی روابط بھی رکھتے ہیں اور مشرقی یورپ کے یہ مسلم علاقے مسیحی یورپ کے لئے اسلام دوستی کا پیغام جبکہ مسیحی رویّے ظالمانہ اور رومی طرز کے ہیں۔ مسلم مشرقی یورپ ابھی بھی UNO کے تحت دیے گئے اقلیتوں کے حقوق کے منتظر ہیں۔

عثمانی دور میں وسطی اور مشرقی یورپ کے لئے تجارتی اور سفارتی رابطوں کے مشرق میں ایران، افغانستان اور ہند تک سفر بلا روک ٹوک کرتے تھے اور مسلمانوں کی فراخدلی اور مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی اقدار، پاکیزہ کاروباری اُصول، طرز بود و باش، کھیل کود کے مشاغل وغیرہ کا ذاتی تجربہ رکھتے تھے جو ان میں نسل در نسل آج بھی روایات میں موجود ہے۔

مشرق وسطی، ترکی، مشرقی یورپ کی مسلم ثقافت کے آثار اس علاقے میں یکساں طور پر واضح ہیں طرزِ تعمیر، رہائش، لباس، کھیل کود کے مشاغل میں عثمانی ترکوں کے دور کے اثرات کا مشاہدہ ہر کھلی آنکھ کر سکتی ہے۔

تاریخی پہلو

تاریخی اعتبار سے سپین سے مسلم تہذیب و ثقافت کے اثرات مغربی فرانس اور برطانیہ

تک بھی پہنچے اس لیے کہ عثمانی ترکوں کے عہد میں فرانس کے مشرقی علاقوں سمیت سارا علاقہ مسلمانوں کے زیرتسلط رہا۔

1453ء میں قسطنطنیہ کی فتح سے ترکوں کی حکومت مستحکم ہوگئی اور سارے یورپ میں کوئی مدمقابل قوت موجود نہ رہی۔ 250 سال تک یہ علاقہ ترکوں کے زیرحکومت رہا اور یہاں مسلمانوں کی ترقی، علم دوستی، اقلیتوں سے حسن سلوک اور اعلیٰ تہذیبی روایات کا چرچا رہا۔ عثمانی حکومت اٹھارویں صدی کے آغاز تک شمالی افریقہ مشرقی یورپ، روسی ترکستان، مشرق وسطی اور جزیرہ نمائے عرب کے شمالی اور مغربی حصے حجاز (جہاں حرمین شریفین واقع ہیں) تک محیط تھی۔

قوموں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کا بھی ایک ضابطہ اور قانون ہے کوئی فرد ہو یا اجتماعیت وہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ اس اُصول سے مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں یہی سنہری اُصول بتائے گئے ہیں۔ اٹھارویں صدی شروع ہوئی تو عثمانی سلطنت پر زوال کے آثار شروع ہوگئے اور دوسری طرف یورپ میں صنعتی انقلاب آ گیا اور اقوام یورپ بیدار ہوگئیں اور مشرقی یورپ سے بھی علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلنے شروع ہوگئے اور ترکستان میں روس نے بیداری کے بعد توسیع پسندانہ جذبے سے عثمانی حکومت کے علاقے فتح کرنا شروع کئے۔ یہی زمانہ ہے جب برطانیہ اور فرانس نے اپنے ملکوں سے نکل کر بحیرہ روم کے شمالی اور مغربی ساحلوں پر لوٹ مار شروع کی اور اپنا اثر ورسوخ بڑھانا شروع کر دیا۔

اٹلی اور فرانس نے یورپ سے جنوبی کی طرف بحیرہ روم عبور کر کے شمالی افریقہ میں عثمانی مقبوضات ہتھیا لیے۔ برطانیہ نے مغربی افریقہ کی طرف سے یلغار کر کے وسطی افریقہ میں علاقے فتح کرنا شروع کر دیے۔ تا آنکہ اٹھارویں صدی کے آخر تک (1800ء) افریقی مقبوضات عثمانیوں کے ہاتھوں سے جا چکے تھے، مشرقی یورپ کا بیشتر حصہ روس ترکستان کا حصہ بن گیا تھا اور باقی ریاستیں علیحدہ ہوکر خودمختار ریاستیں بن گئی تھیں، جن پر بعد میں روس نے قبضہ کرلیا تھا۔

اسلام اور جرمن قوم کے تعلقات کے حوالے سے دیکھیں تو جرمنی اور عثمانیوں کی آپس میں کشمکش ہونا یا کشیدگی ہونا تو سلطنتوں کے مابین فطری امور ہیں تاہم بڑی جنگ یا ایک دوسرے کو تہس نہس کر دینے کی نوبت کبھی نہیں آئی۔ حتیٰ کہ اٹھارویں صدی تک عثمانیوں نے فرانس سے بھی

تجارتی تعلقات استوار کر لیے تھے۔اس بقائے باہمی کا نتیجہ یہ تھا کہ اٹھارویں صدی میں بھی مشرقی یورپ اور جرمنی کے لوگ ایران، افغانستان تک آزادانہ تجارت کر رہے تھے۔

اٹھارویں صدی میں عثمانیوں کے زوال پذیر ہونے اور یورپ میں صنعتی انقلاب سے، طاقت کا توازن صنعتی اقوام کے ہاتھ میں آ گیا۔ پہلے علم، ترقی، تہذیب وثقافت، کلچر رہن سہن کے انداز مشرق وسطی اور ترکی سے یورپ کو جا رہے تھے، یورپی اقوام کی سائنسی ترقی، صنعتی انقلاب سے صورت حال اُلٹ ہوگئی اب مسلمان یورپ اور جرمن یونیورسٹیوں میں علم حاصل کرنے جا رہے تھے اور وہاں سے صنعتی مصنوعات اور سائنسی علوم کے ساتھ مغربی تہذیب وثقافت مشرق وسطی منتقل ہو رہی تھی۔

یورپ سے مشرق وسطی اور اسلامی ممالک کی طرف اس بہاؤ میں جرمن قوم کو یہ سہولت حاصل تھی وہ ذہنی طور پر اسلامی دنیا سے منسلک تھا لہٰذا تجارتی انداز میں مسلمانوں سے معاملات کرتا رہا جبکہ فرانس، اٹلی اور برطانیہ کو زمینی راستہ میسر نہیں تھا اُسے سلطنت عثمانیہ سے لڑائیاں لڑ کر شمالی افریقہ میں پاؤں جمانے پڑے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترکی مشرق وسطی، ایران، افغانستان تک جرمنی کا اثر ورسوخ بڑھ گیا جبکہ دیگر علاقوں میں فرانس، اٹلی اور زیادہ تر برطانیہ کا تسلط قائم ہوگیا۔

معاشی اور سیاسی پہلو

اٹھارویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز (1801ء) تک یورپی اقوام صنعتی ترقی کے نتیجے میں فوجی لحاظ سے مستحکم ہوگئی تھیں، صنعتوں میں مشینی پیداوار سے بے پناہ تجارتی مال تیار ہوتا تھا جس کی کھپت درکار تھی اور صنعتوں کو چلانے کے لئے خام مال درکار تھا جو یورپ میں میسر نہیں تھا؛ لہٰذا ——— یہ یورپی اقوام اپنی اغراض کے لئے تسخیر ممالک کے لئے نکل کھڑی ہوئی ہیں۔ یہ یورپی اقوام ڈچ (پرتگال)، فرانسیسی (فرانس)، اطالوی (اٹلی)، انگریز (برطانیہ) اور جرمن (جرمنی) اقوام تھیں۔

ڈچ قوم بحراوقیانوس کے کنارے ہی تھی لہٰذا اس نے جلد ہی مغربی افریقہ مشرقی

افریقہ کے ساحلوں پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت مغلیہ سلطنت مستحکم تھی لہٰذا یہ قوم انڈونیشیا، ملائیشیا کے بعض علاقوں پر جا قابض ہوئی۔

فرانسیسیوں کو شمال کی طرف سے برطانیہ سے ٹکراؤ کا اندیشہ تھا اس نے جنوبی ساحل سے بحراوقیانوس عبور کر کے شمالی افریقہ، الجزائر اور مصر کے علاقوں پر قبضہ جما لیا۔

اطالوی قوم نے بھی بحراوقیانوس سے نکلنے کے لئے ڈچ، برطانیہ، فرانس سے مقابلہ کرنے کی بجائے لیبیا اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کر کے افریقہ میں علاقے اپنے قبضے میں کر لیے۔

انگریزوں کو کھلا سمندر ملتا تھا لہٰذا یہ یورپ کے مغربی ساحل سے ہو کر افریقہ کے مغربی علاقوں اور جنوبی علاقوں پر قابض ہو گئے پھر جزیرہ نمائے عرب کے یمن، اومان اور خلیج فارس میں اثر ورسوخ بڑھایا، بعدازاں بحیرہ ہند میں ہند کے ساحلی علاقوں پر قبضے کئے۔ مغلیہ سلطنت مضبوط تھی؛ لہٰذا ــــــــــــ انگریزوں نے بنگال میں جا کر ساحلی علاقے کو آباد کیا۔ فرانسیسی قوم نے بھی سندھ کا ساحلی علاقہ اور جنوبی ہند کا مشرقی ساحلی علاقہ قبضے میں لیا تھا تاہم جلد ہی انگریزوں سے جنگوں میں اُسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

پس پردہ قوتوں نے برطانیہ کو آگے بڑھتے دیکھا تو اس قوم کو اشیر باد دے کر عالمی استعمار کا سب سے بڑا مہرہ بنا دیا۔ برطانیہ نے انیسویں صدی کے شروع میں جنوبی ہند سے فرانسیسیوں کو مار بھگایا (سلطان ٹیپو شہادت 1799ء بھی فرانسیسیوں سے صنعتی روابط رکھتے تھے) اور مصر سے بھی فرانسیسیوں کو نکال دیا اور نپولین بوناپارٹ کو شکست فاش سے دوچار کر دیا۔

مصر کی فتح کے نتیجے میں بحیرہ قلزم کو خلیج سویز جو اوپر جا کر ختم ہوتی ہے اور بحیرہ روم سے صرف 180 میل دور رہ جاتی ہے، انگریزوں نے نہر سویز بنائی اور بحیرہ روم سے جہاز رانی کا راستہ بحرہ قلزم اور بحیرہ ہند تک نکال لیا اس سے انگریزوں کو ہندوستان آنے کے لئے چار ہزار میل کا فاصلہ کم ہو گیا اور مقبوضات کی نگرانی آسان ہو گئی اور فوجی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ تاہم برطانیہ، فرانس، اٹلی، ڈچ سب اقوام جہاں جہاں گئیں انہوں نے لوٹ مار کی، مقامی باشندوں کو دبایا (جیسے برطانیہ نے امریکہ پہنچ کر مقامی باشندوں ریڈ انڈین قوم کو سرے سے ختم کر دیا تا کہ اپنا

تسلط پائیدار ہو سکے) اسی طرح بنگال وغیرہ میں انگریز، فرانسیسی اور اطالوی اپنے ان مقبوضات میں غاصب، لٹیرے، غیر ملکی بدمعاش ہی سمجھے جاتے رہے اور مقامی لوگوں نے جلد یا بدیر آزادی کی تحریکیں چلا کر ان استعماری قوتوں سے آزادی حاصل کر لی۔

اس پس منظر میں معاشی اور سیاسی دونوں پہلوؤں سے جرمن قوم کا معاملہ بالکل منفرد ہے۔ اطالوی قوم کی طرح جرمن بھی تسخیر ممالک کی مہم میں شریک ہوئی تو اولاً اُسے صرف شمال کی طرف سمندر ملتا ہے جو سارا سال تجارت کے قابل ہی نہیں ہوتا پھر وہاں سے نکلتے ہی برطانیہ اور فرانس کے ساحلوں سے گزرنا پڑتا جس سے لڑائی اور جنگیں ناگزیر تھیں۔

یہ سہولت قدرت کی طرف سے جرمنی اور جرمن قوم کو ملی کہ اُسے جغرافیائی طور پر مشرق میں وسیع اسلامی دنیا کا ملحقہ علاقہ میسر تھا جہاں زمینی روابط صدیوں سے استوار تھے تاریخی طور پر عثمانیوں اور ان کے زیر نگیں علاقوں میں پہلے بھی آنا جانا تھا، تہذیبی اور ثقافتی رشتے بھی موجود تھے لہٰذا ــــــــــ جرمن قوم نے اس سہولت سے فائدہ اٹھایا اور مشرقی یورپ سے ہوتے ہوئے ترکی مشرق وسطی، سعودی عرب، ایران افغانستان تک تجارتی روابط بڑھائے۔ برطانوی اور فرانسیسی پیداوار کو مارکیٹ تک پہنچے کے لئے ہزاروں میل کا سمندری راستہ طے کرنا پڑتا تھا پھر دشمن علاقے، آپس کی مسابقت اور مقامی طور پر لوگوں میں غیر ملکیوں کی نفرت جیسے عوامل درپیش رہتے تھے۔ اس کے مقابلے میں جرمن قوم کو مسلم ممالک میں ایک باوقار تاجر اور نئی نئی مصنوعات متعارف کرانے والی قوم کے طور پر پہلے سے جانے پہچانے لوگوں میں کام کرنے کا موقع میسر تھا۔ اس صورت حال سے ان ممالک کے مسلمانوں میں جرمنوں کے لئے خیر سگالی اور احسان مندی کے جذبات موجزن تھے۔

معاشی اور سیاسی طور پر جرمن قوم کے مسلمانوں سے روابط اور تعلقات کا انداز اس سے کیا جا سکتا ہے کہ:

☆ افغانستان میں احمد شاہ ابدالی (وفات 1773ء) کے دور میں جرمن اسلحہ اور تجارتی مال کا دور دورہ تھا، احمد شاہ ابدالی نے 1761ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور پانی پت کے میدان میں تین لاکھ مرہٹوں کو شکست فاش سے دوچار کر دیا، احمد شاہ ابدالی کے ساتھ جرمن ساختہ توپیں

تھیں جو جنگ میں کام آئیں انہیں توپوں میں سے ایک لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کے سامنے مال روڈ پر نصب ہے۔

☆ ترکی میں جرمن مصنوعات عام تھیں اور شام، لبنان، اردن، فلسطین، عراق سارے علاقے جرمن مصنوعات ہی استعمال کرتے تھے، بڑے پراجیکٹ بھی جرمن کمپنیوں کے ذریعے اور جرمن ٹیکنالوجی پر ہی تکمیل پذیر ہوتے تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں استنبول سے شام، لبنان، فلسطین، اردن ہوتے ہوئے مدینہ اور مکہ تک ریلوے لائن بچھانے کا منصوبہ بنایا گیا اور اس پر عمل درآمد ہوا تو یہ منصوبہ بھی جرمن انجینئروں کے ہاتھوں آگے بڑھایا۔ مدینہ تک ریلوے لائن بچھ گئی تھی اور مدینہ تک ریل گاڑیوں کی آمدورفت شروع بھی ہوگئی تھی کہ پہلی جنگ عظیم (1914ء) چھڑ گئی جس سے کام بند ہوگیا ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا جرمنی کی شکست کے بعد دوبارہ کام شروع نہ ہوسکا۔

☆ سعودی عرب کے علاقے مکہ اور مدینہ میں 1995ء تک (نئے توسیعی منصوبے کے آغاز) تک گھروں میں حاجیوں کے لئے جرمنی طرز کے فٹنگز استعمال ہوتی تھیں۔

اس طرح جرمنی عالم اسلام کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتا تھا اور اسی کا اثر تھا جو جرمن دانشوروں پر اسلام کی حقانیت اور فطری دین ہونے کی وجہ سے نمایاں ہو رہا تھا۔ آج سے تین دہائیاں پہلے تک جرمن دانشور میری این شمل کا اقبالیات اور تصوف اسلامی کا مدّاح ہونا جرمن قوم میں اسی متوازن سوچ اور عالم اسلام سے سابقہ صحت مند روابط ہی کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔

صہیونی عزائم

صہیونیت ایک ادارے اور تحریک کے طور پر جس طرح واضح درجہ بندی (CADRES) کے ساتھ گزشتہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ سے دنیا کے سامنے ہے اس طرح کی تحریک اور شناخت پہلے تو نہ تھی مگر ــــــــــــ بنی اسرائیل کے ایک بگڑے ہوئے گروہ کے طور پر جس کے ابلیسی اور شیطانی عزائم قرآن پاک نے بڑے واضح بیان کر دیے ہیں وہ یقیناً بہت پہلے سے ہے اور اس کی تاریخ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرف سے ان کے ساتھ

رویے سے جا ملتی ہے۔قرآن مجید ــــــــــــــ ایک آسمانی کتاب ہے اور اس کتاب میں جس طرح اس ابلیسی گروہ کی نقاب کشائی کی گئی ہے وہ کسی اور کتاب میں ممکن نہیں ہے پھر دنیا میں جتنی بھی کتابیں اس ابلیسی گروہ کے کردار کا چہرہ دکھانے کے لئے لکھی گئیں وہ اس گروہ نے دنیا سے غائب کر دیں THE SECRET SOCIETITIES OF THE WORLD اور THE PAWN OF THE GAME طرح کی ہزاروں کتابیں دنیا سے ناپید کر دی گئیں حتی کہ THE HUNDRED جیسی کتاب جس میں حضرت محمد ﷺ کی تعریف کی گئی تھی اور ایک عیسائی نے لکھی تھی اسے بھی غائب کر دیا گیا۔اس گروہ نے تو حضرت محمد ﷺ کی کردار کشی کو اپنا مشن بنا رکھا ہے۔(آج جو کچھ کارٹون اور خاکوں کی آڑ میں ہو رہا ہے اس کے پس پردہ یہی صہیونی ابلیسی گروہ یہود ہے) یہی گروہ ــــــــــــــ قرآن مجید کو بھی دنیا سے غائب کرنے کے منصوبے بناتا رہتا ہے مگر یہ خالق کائنات نے نازل فرما کر اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا ہے۔(''ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔الحجر آیت 9) ورنہ صیہونیت کی طرف سے گزشتہ چودہ صدیوں میں اس ضمن میں ایک سے ایک بڑھ کر خوفناک شازشیں ہوئیں مگر کامیاب نہ ہوسکیں نہ آئندہ ہوں گی ان شاءاللہ۔اس صیہونی اور ابلیسی گروہ کے عزائم کا صرف دورِ حاضر کے اعتبار سے خاکہ درج کیا جارہا ہے جس گروہ نے مغربی اقوام کے عروج کو ذریعہ بنا کر اور انہی قوموں کو بطور آلہ استعمال کر کے اسلام کو ختم کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔اس کا نتیجہ کیا ہے وہ ایک الگ باب ہے۔

☆ یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد ہونے والی ترقی سے سب سے زیادہ فائدہ اس صیہونی گروہ نے اٹھایا۔1602ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی جس سے ہندوستان میں تجارت کی آڑ میں برطانوی قبضے اور توسیع کا پروگرام بنا۔

☆ اس ابلیسی گروہ نے اپنے منصوبوں کی کامیابی کے لیے مسیحیت کو فرنٹ مین کے طور پر استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا مگر مسیحیت میں 'پوپ' کا اصل اختیار تھا اور 'یہود' کو کام کرنے کی آزادی نہیں تھی اس گروہ نے طویل تحریک چلا کر مسیحیت میں ہی پروٹسٹنٹ کے نام سے ایک فرقہ کھڑا کر دیا جو آسمانی ہدایت میں لبرل ازم اور سیکولرازم کا قائل تھا، اسی گروہ کے ذریعے سود حلال

کر دیا گیا اور بنکوں کا نظام قائم ہوا، 1645ء میں بنک آف انگلینڈ قائم ہوا اور بعد میں یہ سلسلہ یورپ اور ساری دنیا میں پھیل گیا۔

☆ روایتی عیسائیوں کو کیتھولک نام سے پوپ کے ساتھ منسلک سمجھا گیا اور اس فرقہ کی بھی ہر طرح سے سرپرستی کی گئی۔

☆ مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا گیا، پوپ کا اختیار صرف مذہبی معاملات تک تھا جبکہ برطانوی بادشاہ کو سیاسی طور پر مسیحیت کا محافظ قرار دیا گیا (DEFENDER OF FAITH) اس طرح تاج برطانیہ کو مسیحیت کے تحفظ اور حکومت برطانیہ کو پروٹسٹنٹس کے فروغ کا ذریعہ بنا دیا گیا۔

☆ برطانوی مقبوضات سب سے زیادہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے، سائنسی ایجادات سب کی سب اس عالمی حکومت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے 'ضرورت ایجاد کی ماں ہے' کے اصول پر سامنے آئیں۔ ریل تار برقی، سمندری سفر کی سہولت وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا بعد ازاں یہی ترقی ریڈیو، ٹی وی، کلر ٹی وی، وائرلیس، کمپیوٹر اور ہوائی سفر نے اس عالمی حکومت کے قبضے کو جاری رکھنے کے لیے آسانی پیدا کر دی۔

جرمنی کے عالم اسلام سے زمینی رابطے، تاریخی، ثقافتی اور برادرانہ تجارتی تعلقات اور باہمی اعتماد اس صیہونی گروہ کے سینے میں تیر کی طرح پیوست تھے۔ 1897ء میں صیہونیت باقاعدہ ایک تحریک اور ادارہ ORGANISATION کے طور پر سامنے آ گئی یہودی دانشور ڈاکٹر..... نے سوئزرلینڈ کے شہر BASEL میں کانفرس بلا کر یہود کے لیے مشرق وسطی میں ایک وطن کا خاکہ پیش کیا جس کا نام اسرائیل تجویز ہوا اس وطن کے حصول کے لیے ایک صدسالہ منصوبہ بنا۔ اس وطن کے حصول کے لیے یہود کی صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں شکست کے سات صدیوں بعد ایک سنہری موقع مل رہا تھا۔ فلسطین (سمیت سارا مشرق وسطی) سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا یہ سلطنت پانچ صدیوں کے اقتدار کے بعد اب مضمحل اور لڑکھڑا رہی تھی لہٰذا ایک جنگ کا منصوبہ بنا۔ پہلی جنگ عظیم برطانیہ اور جرمنی آمنے سامنے آ گئے عثمانی حکومت جرمنی سے روابط اور دوستی کی وجہ سے اس کے ساتھ ہو گئی جرمنی نے بڑا زوردار مقابلہ کیا مگر منصوبہ سازوں نے

طے شدہ پروگرام کے مطابق (جس کی تفصیلات بھی تاریخ میں محفوظ ہیں) جرمنی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اب جرمنی اور ترکی کو ہارنے والے فریق کے طور پر سزا ملی اور سارا مشرق وسطی اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ فلسطین پر 1917ء کے بالفور ڈیکلریشن سے یہود کو 644ء میں حضرت عمرؓ کے فلسطین فتح کرنے کے بعد اب داخلے کی اجازت ملی تھی۔

جرمنی پر اسلام اور کے جو کچھ اثرات باقی تھے اور دوبارہ منظّم ہونے کی سکت تھی اس کو دوسری جنگ عظیم میں تہس نہس کر دیا گیا تا کہ یورپ میں صہیونی لابی کا کنٹرول ہو (جواب متحدہ یورپ ایک حکومت ایک پارلیمنٹ ایک کرنسی کے ذریعے سامنے آ چکا ہے) اور جرمنی کو تقسیم کر کے دیوار برلن تعمیر کر دی گئی تا کہ جرمنی عالم اسلام سے کٹ جائے اور مکمل طور پر WESTWARD LOOKING ہو کر رہے۔

قارئین کرام! یہ ہیں وہ جغرافیائی، تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی عوامل جن کے اثرات جرمنی کو منوّر کر رہے تھے جن کا مشاہدہ حضرت علامہ اقبال نے 1905ء۔1907ء میں قیام یورپ میں کیا تھا اور تحریک مشرقی سے متاثر ہوئے تھے اور 'پیام مشرق' کے نام سے ایک مجموعۂ کلام بھی تخلیق کر دیا مگر صیہونی لابی نے اس پھول کو کھلنے نہیں دیا۔ پیام مشرق (مطبوعہ 1924ء) میں علامہ اقبال نے واحد آزاد مسلمان ملک افغانستان کے فرمانروا امان اللہ خان کو مخاطب کر کے ملت اسلامیہ کی بیداری اور خلافت اسلامیہ کے احیاء کے لئے بہت سی تجاویز دی تھیں اور ان سے بہت سی توقعات بھی وابستہ کی تھیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال کو دورۂ افغانستان کی دعوت دی گئی، 1933ء میں سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال اور سر راس مسعود دورۂ افغانستان پر تشریف لے گئے تھے۔ قیام کابل کے دوران حکومتی اور ملکی معاملات کے علاوہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور خلافت اسلامیہ کے احیاء کے لئے تجاویز بھی زیر بحث آئیں اس وقت نادر شاہ کابل کا حکمران تھا۔

اس سے پہلے علامہ اقبال 1927ء میں مدراس کی ایک مسلم انجمن کے زیر اہتمام ''الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیل جدید'' (RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM) کے موضوع پر لیکچرز میں دور حاضر میں اسلام کے غلبے اور

احیائے خلافت کے بارے میں اعلیٰ علمی فلسفیانہ سطح پر گفتگو کر چکے تھے۔ 1930ء میں برطانوی ہند کے شمال مغرب میں ایک خطے میں مسلم ریاست کا تصور بھی دے چکے تھے جہاں اسلام کو نافذ کر کے اسلام کی تعلیمات کی برکات کا ایک نمونہ دورِ حاضر میں دنیا کے سامنے رکھا جائے۔

اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردانہ تعلقات اور صدیوں کے دوستانہ رویوں کی وجہ سے جرمنی میں عوامی سطح پر اسلام کے حق میں ایک لہر آج بھی موجود ہے اور اس کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس رُخ پر مزید تحقیق سے اس تحریک مشرقی کے اثرات کا مزید گہرائی میں جا کر جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال کی دوررس نگاہ نے اس کا مشاہدہ کر لیا تھا اور کوئی عجب نہیں کہ آنے والے وقت میں اس کا کوئی عملی نمونہ بھی سامنے آ سکے اور جرمن قوم کا ELITE طبقہ مشرف بہ اسلام ہو جائے۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات!
وہ مذہب مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ ملاّ و جمادات و نباتات

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمۃ

(1877ء۔1938ء)

انجینئر مختار فاروقی

علامہ محمد اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مقامی تعلیم سیالکوٹ میں ہی حاصل کی، گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے فلسفہ اور ایم اے عربی کی تعلیم حاصل کی، پھر یہیں تعلیم کے شعبہ سے وابستہ رہے۔ 1905ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان (برطانیہ) تشریف لے گئے وہاں وکالت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، یورپی درسگاہوں میں وقت گزارنے سے وہاں کے کلچر اور فکری رجحانات سے شناسائی حاصل ہوئی، 1907ء میں واپس تشریف لائے، وکالت کے شعبہ میں کام کرتے رہے لیکن اُن کا اصل شعبہ جس میں اُنہوں نے کام کیا اور عزت پائی وہ سوئی ہوئی مسلمان اُمت کو جگانے کا کام تھا۔ آپ نے اُمت کو جگایا، راستہ بھی دکھایا، نشان منزل بھی دیا اور قوم کو قرآن مجید کے ساتھ جوڑ دیا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی محبت اور عشق سے خود بھی وافر حصہ پایا تھا اور قوم کو بھی اس جذبے سے سرشار کرنے کا کام کیا، قائداعظم محمد علی جناح جیسا رہنما ڈھونڈ کر قوم کو دیا اور پاکستان کے قیام کی نظریاتی اور عملی راہ ہموار کی، دوقومی نظریہ کی آبیاری کی اور مسلمانانِ ہند کے تشخص کا تحفظ اور اُمت مسلمہ کی بقا کا گراں قدر کام کیا اور حکیم الامت کہلائے۔ 21 اپریل 1938ء کو وفات پائی اور بادشاہی مسجد کے باہر آسودہ خاک ہیں۔

ع آسمان تیری لحد پے شبنم افشانی کرے

علامہ اقبال کا کام بہت وسیع الاطراف ہے اُن کے کارنامے کثیر الجہت ہیں اور اُن کی خدمات جلیلہ مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے مختلف شعبہ جات سے متعلق ہیں۔ ان کے

ہمعصروں اور بعد والوں میں کسی ایک انسان کے لئے (جوان سے مقام و مرتبہ میں فروتر بھی ہو) اُن کے کارناموں کا احصاء اور توضیح ممکن نہیں ہے۔ اُن کے شارحین کی تعداد لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ضرور ہے۔ مجموعی طور پر وہی بات حق ہے جو ایران کے ملک الشعراء ملک بہار نے فرمائی تھی

ے عصر حاضر خاصّۂ اقبال گشت
واحدے کز صد ہزاراں برگزشت

عصر حاضر (گزشتہ 1900ء سے لے کر آج تک) دراصل عصر اقبال ہے اُن کے فکر کے بحر ذخار سے، ہر ساعی و متلاشی اپنی بساط کے مطابق لعل ہیرے اور موتی نکال نکال کر لا رہا ہے اور ـــــــ ان کا کلام ـــــــ علم و معنی کا بحر ذخار کیوں نہ ہو کہ وہ مرد قلندر ـــــــ علامہ اقبال ـــــــ فکری طور پر خود قرآن میں ڈوبا ہوا ہے۔

ع قرآن میں غوطہ زن ہو اے مرد مسلمان

قرآن مجید میں اسی ''غوطہ زنی'' کا ''مان'' ہے جو خود انہیں بھی تھا اور وہ اس کے حقدار تھے اور اہل بھی۔ اُن کا مان بجا تھا چنانچہ ان کے اشعار جو ''عرض بحضور رحمت للعالمین ﷺ'' کے عنوان سے ہیں، میں خود فرماتے ہیں:

گر دلم آئینۂ بے جوہر است ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردۂ ناموس فکرم چاک کن ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا
گر دُرِ اسرار قرآن سفتہ ام با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
اے کہ از احسانِ تو ناکس کس است یک دعایت مزد گفتارم بس است

علامہ اقبال کے گوناگوں کارناموں میں سے ان سطور میں ہم علامہ اقبال کے صرف دو کارناموں کا ہی تذکرہ کریں گے۔

☆ ایک ان کا اس وقت کی عالمی مغربی تہذیب یعنی صہیونی یورپی برطانوی سامراج کی برتری کا تجزیہ، تشخیص، صائب مشورے دینا۔

☆ دوسرا سوئی ہوئی، کمزور، غلام مسلمان اُمت کے زوال کے اسباب، علاج، راہ عمل اور نشان منزل کا شعور واضح کرنا۔

قرآن اکیڈمی جھنگ میں منعقد ہونے والے ان 20 نامور شخصیات پر سیمیناروں کے سلسلے کا THEME اور مقصد ہی یہ تھا کہ ایسی شخصیات کا نئی مسلمان نسل سے تعارف کرایا جائے جنہوں نے ماضی میں انفرادی و اجتماعی، اصلاحی، انقلابی، خانقاہی اور میدان جنگ کی سرگرمیوں میں حصہ لیا ہے یا اس کا درس دیا ہے۔ حضرت علامہ اقبال کی شخصیت اس سلسلۂ رشد و ہدایت اور سیمیناروں کی آخری کڑی تھی۔ ان کی وسیع الاطراف شخصیت کے انہیں پہلوؤں کا وہاں احاطہ کیا گیا تھا جو اسلام کے حرکی اور انقلابی پہلوؤں سے متعلق ہیں۔

فکر مغرب کی اُٹھان

علامہ اقبال نے شعوری زندگی کا جو زمانہ پایا (1895ء-1938ء) وہ بجا طور پر یورپی طاقتوں کی صنعتی، معاشی اور نظریاتی بالادستی کا دور ہے۔ یہ یورپی طاقتیں استعماری طاقتیں تھیں اور غریب پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ اقوام کو زیر کرنے، اس کے معاشی و معدنی وسائل کو لوٹنے اور اس علاقے کو اپنی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لئے ایک منڈی بنانے سے زیادہ سوچ نہیں رکھتی تھیں، اس کام کے لئے اُنہوں نے جبر و استبداد کا ہر ہتھکنڈا استعمال کیا سوائے ایک یورپی طاقت جرمنی کے۔ فرانس، اٹلی، پرتگال، برطانیہ سب کے سب ہمیشہ اپنے مفتوحہ اور مقبوضہ علاقوں میں غاصب ہی سمجھے گئے اور اُن کے ملکوں کے عوام جتنا عرصہ بھی ان یورپی طاقتوں کے غلام رہے کبھی استعماری طاقتوں کے اقتدار پر خوشی اور اطمینان کا اظہار نہیں کیا۔

ان یورپی طاقتوں کے مقاصد کیا تھے؟ نظریات کیا تھے؟ اور وہ کس مشن پر ان دور دراز علاقوں میں پہنچ کر قابض ہو گئے تھے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر غور کرنے سے فکر مغرب کی حقیقت سامنے آ جائے گی۔

مسیحی یورپ جب دور جہالت و ظلمت (DARK AGES) سے بیدار ہوا تو اس بیداری میں مسلم عرب سپین اقتدار (711ء سے 1492ء تک) کی شاندار روایات، مذہبی

رواداری، بےنظیر کائناتی تصورات ونظریات (ایمان باللہ، ایمان باالآخرہ، وایمان بالرسالت) اورعلم دوستی کے ساتھ بے پناہ سائنسی اورفنی ترقی شامل تھی۔فرانس، برطانیہ اوراٹلی کے نوجوان یہیں سے علم سیکھ کر جاتے تھےاوردوسرے ہم وطنوں کے لئے مشعل راہ بنتے تھے۔

سپین سے مسلمانوں کے خاتمہ اور یورپ کی بیداری سے مسیحی یورپ ایک عجیب کشمکش سے دوچار ہوگیا۔مسیحیت جوتثلیث کےنظریات لے کر چل رہی تھی اور مذہب کوعقل پر پرکھنے کو جرم سمجھا جاتا تھااس سائنسی ترقی اور کائنات پرغوروفکر کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہونے لگی تو کسی ''دست غیب'' نے کیتھولک مسیحی مذہب سے پروٹسٹنٹ خیالات کے مسیحی لوگوں کوالگ کر دیا۔اب پروٹسٹنٹس بائبل پرایمان لائے بغیرمسیحی کہلاتے تھےاورحضرت مسیح علیہ السلام کے حکموں کو مانے بغیران کے پیروکار۔یہ''دست غیب'' یاخفیہ طاقت سائنسی ترقی کومسیحیت سےٹکراؤ کےانداز میں لے کرچلتی رہی ہےاس طاقت نےکوشش کرکے پروٹسٹنٹس کوسود پرآمادہ کیااورسترھویں صدی میں بنک آف انگلینڈ قائم ہوگیا۔یہ منصوبہ یہودی سوچ اور پروٹسٹنٹ فرقہ کے اہل کاروں کے ذریعہ بروئے کارلایا گیا۔اس سودی نظام سے صنعتی ترقی کوبھی مددملی اورسرمائے کی ضرورتیں بھی پوری ہوئیں۔مزید برآں سود کی مدمیں بے پناہ وسائل ہاتھ آئے تو سائنسی ترقی کوآگے بڑھانے کے لئے اسی سرمائے کومزیداستعمال کیا گیا۔

صنعتی ترقی کے ساتھ سیاسی طاقت کا توازن بھی اس دست غیب یعنی یہوداور بظاہر پروٹسٹنٹ فرقہ کے ہاتھوں میں چلا گیا۔سترہویں صدی کےآخری عشروں اوراٹھارویں صدی کے آغازتک یورپ میں یہوداور پروٹسٹنٹس فرقہ کوآگے بڑھانے کے لئے مذہب اورسیاست یاچرچ اورسیاست کوالگ کردیا گیا۔

چنانچہ سیاسی حکمرانوں کے پاس اب اخلاقیات کے میدان میں کوئی ضابطہ اخلاق یا صحیفہ یاریفرنس ہی نہ رہا نہ حکومت کو چلانے کے لئے قانون (LAW) اورعدالتوں کا نظام بھی مسیحیت کے پاس تھااور نہ یورپ کے پاس اس ضمن میں کوئی آسمانی ہدایت کےتحت کسی قانونی نظام کی روایات موجودتھیں۔

اس خلا کومحسوس کر کے صیہونیت (یا یہود) جو درپردہ اس ساری کاروائی کو چلا

(HANDLE) رہی تھی نے دو اقدامات کئے۔ ان اقدامات کے پیچھے چرچ اور سیاست کی جدائی کو بنیاد کا پتھر کہا جا سکتا ہے (یاد رہے کہ کیتھولک مسیحیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے لے کر 1998ء تک یہی رائے مستحکم رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دلوانے میں یہود کا ہاتھ تھا اس لیے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل ہیں لہٰذا ان سے دوستی نہیں ہو سکتی)۔

☆ پہلا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ ملک کو مذہب سے آزاد سیکولر انداز میں چلانے کے لئے (جس میں دراصل یہود ہی کو فائدہ تھا) یونانی فلسفہ کو بطور ''مذہب'' یا کائنات کی تشریح کرنے کے TOOL کے طور پر اختیار کر لیا گیا اور دو ہزار سال بعد یونانی فلاسفہ کو نئی زندگی دے کر ان کے نظریات کو سرکاری سطح پر رائج کر دیا گیا۔

☆ دوسرا کام یہ ہوا کہ ملک کے لئے قانونی نظام تو مذہب دے سکتا ہے جبکہ مذہب سے انکار ہو چکا اب اس خلاء کو پر کرنے کے لئے بہترین نظام سپین کا نظام حکومت تھا مگر درمیان میں مذہب دوبارہ آتا تھا اور دوسرے یہود کے منصوبوں میں چونکہ اسلام دشمنی ایک بنیادی پتھر ہے لہٰذا رومیوں کے ظالمانہ، بے رحمانہ اور مشرکانہ عقائد کی بنیاد پر تعمیر کردہ قانونی نظام کو اپنا لیا گیا اور رائج کر دیا گیا۔

یونانی فلسفہ اور رومی نظام قانون (ROMAN LAW) دو ایسے اہم ستون ہیں جن پر مغربی فکر و فلسفہ اور استعمار کی ساری عمارت کھڑی ہے اور اسی ظالمانہ نظام قانون سے ہی یورپی استعماری طاقتیں دنیا بھر کے علاقوں پر قابض ہو گئیں۔ اس لئے کہ ان کے دامن میں نہ کوئی اخلاق تھا نہ رحم دلی، نہ انسانی ہمدردی نہ نوع انسانی کے لئے کوئی فلاحی مقاصد۔ چنانچہ دور حاضر کی مشہور کتاب ''تہذیبوں کا تصادم'' (CLASH OF CIVILISATIONS) کا مصنف (P.HUNGTINGTON) لکھتا ہے:

> ''..... 1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافہ تھا۔ جس کو فوجی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو

برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن
غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کر سکتے.....''

یہی وجہ تھی کہ یورپی استعمار ـــــ استعمار ہی رہا اور مقبوضہ علاقوں میں کوئی مثبت روایات نہ چھوڑ سکا۔

اس فکر مغرب نے صنعتی ترقی کے ساتھ پروان چڑھ کر مزید کئی گل کھلائے ہیں اور اس کے پیچھے بھی یہی 'دست غیب' یہودی ذہن' فری میسن تحریک اور صہیونی عزائم ہی کارفرما نظر آتے ہیں۔

اجتماعی سطح پر برطانیہ، فرانس اور دوسرے یورپی ممالک (اور بعد ازاں امریکہ) جدھر جا رہے تھے اس میں در پردہ قوتیں سیکولرازم کو کاز ہر گھول رہی ہیں۔ یہ ان کی بڑی دور رَس منصوبہ بندی تھی اور اسی میں ان در پردہ قوتوں کو آزادانہ کام کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔ اس سیکولرازم کی سوچ میں بظاہر بڑی معصوم اصطلاحات اور عنوانات ہیں جنہیں غلط استعمال کر کے غلط فلسفہ ہائے زندگی بنا دیا گیا۔ انسانی حقوق، ہر انسان کو زندہ رہنے کا حق، مذہبی آزادی، رائے کی آزادی ایسی اصلاحات ہیں جن کی آڑ میں یہ فری میسن تحریک اور صہیونیت پل کر جوان ہوئی ہے۔ اسی سوچ نے جمہوریت کی بنیاد رکھی مگر یہ 'خیر' بھی اس گروہ نے سرمایہ دارانہ جمہوریت میں بدل کر انسانیت کے لئے 'شر' بنا دیا۔

یورپی معاشرہ پہلے پہل ایسا برا نہیں تھا اس میں اہل حق اور باضمیر لوگوں نے اس خلاف فطرت سوچ اور معاشرے کی بنیادی اقدار کو مسخ ہوتے دیکھا تو اس کو روکنے کی سر توڑ کوششیں کی ہیں۔ بہت سے حق پرست اور باضمیر حکماء نے اس سلسلے میں ساری ساری زندگیاں لگا دیں جیسے جرمنی کے کانٹ (1722ء۔1804ء) اور گوئٹے۔ گوئٹے نے یورپی اقوام میں انسانی اعلیٰ اخلاق اور بنیادی انسانی اقدار کو یوں فنا ہوتے اور صنعتی ترقی کے سامنے دم توڑتے دیکھا تو تحریک مشرقی شروع کی (جرمن قوم باقی یورپی اقوام سے تاریخی جغرافیائی، تہذیبی اور ثقافتی طور پر قدرے مختلف ہے) تاکہ مذہب اور انسانی اقدار کا تحفظ ہو سکے مگر صیہونی عزائم اور صنعتی ترقی کے ریلے میں بدلتی معاشرتی اقدار دنیا پرستی و عیاشی کے رجحانات کے سامنے یہ تحریک دب کر رہ جائے گی۔

آزادی رائے کے عنوان سے اور پروٹسٹنٹس کے مزاحمتی اور CHALLENGING

انداز کے فروغ سے نت نئے فلسفے اور ماضی کی انسانی روایات کی بلاوجہ دھجیاں بکھیرنے والی سوچ آگے بڑھی ماحول نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور یوں مختلف انسانی پست رویّے فلسفوں کی شکل میں سامنے آتے چلے گئے۔

اس سارے عمل میں بہت ساری تحقیق، انکشافات اور کائناتی تسخیر کے نتیجے میں مثبت چیزیں بھی سامنے آئیں اور سابقہ انسانی اوہام، فرسودہ خیالات اور بے بنیاد اعتقادات کی بنیادیں یکسر منہدم ہوگئیں مگر..... نتیجے کے طور پر مغربی تہذیب اور معاشرہ جدھر چل نکلے تھے اس میں 'شر' اور ابلیسی رویے ہی زیادہ نمایاں ہوتے چلے گئے۔

مشہور نظریات جن کو درپردہ صہیونی قوتوں نے جان بوجھ کر ابھارا یونیورسٹیوں میں جگہ دی اس کے حامیوں کو اعلیٰ اعزازات، منصب اور نوبل پرائز دیے وہ سب کے سب انسان کو اعلیٰ اخلاق سے دھکیل کر حیوانیت اور بہیمیت (BESTIALITY) کی طرف دھکیلتے چلے گئے۔ میکڈوگل، ڈارون، ایڈلر مارکس، فرائڈ وغیرہم اس ضمن میں اپنے نقطہ نظر کے سرخیل ہیں ان کے ساتھ ہزاروں دیگر افراد تھے جو ان کے ہم خیال بن گئے' انسان میں پابندیوں سے گریز کا مادہ تو ہے ہی، مذہبی احکام اور آسمانی ہدایت کی پابندیوں کا مذاق اُڑایا گیا اور ترقی یافتہ ممالک بظاہر ترقی کی طرف گامزن ہیں مگر دراصل حیوانیت کے قعرِ مذلت میں گرتے چلے گئے۔

علامہ اقبال نے اسی مغربی فکر اور اس کے سب اجزائے ترکیبی پر سخت تنقیدیں کی ہیں ان کی اُردو اور فارسی شاعری میں یہ رچا بسا ہے۔ بانگ درا اگرچہ بہت بعد میں زیورطبع سے آراستہ ہوئی مگر اس میں شامل کلام علامہ اقبال کے طویل عرصے کی سوچ اور اظہار مافی الضمیر کا عکس ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

؎ دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکان نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ زر کم عیار ہو گا

مغربی تہذیب کے بارے میں فرماتے ہیں:

؎ فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک ، خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

سیکولرازم اور مادر پدر آزادی کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی رکھتے نہیں جو فکر و تدبّر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

عصر حاضر کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام

(لادینی افکار سے مراد سیکولرازم ہی ہوسکتا ہے اور عشق سے مراد خداشناسی اور دینی اقدار ہیں)

مغربی تہذیب میں STATUS رکھ رکھاؤ اور بہترین دنیاوی زندگی، بہترین آسائشیں(MODERN COMFORTS) ہی اصل مقصود اور نظریۂ حیات قرار پایا ہے۔

؎ عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکرِ معاش

اور اس چکاچوند ترقی سے انسان فطرت شناس نہ رہا بلکہ بطن و فرج کا غلام ہو گیا

؎ مدرسے نے تیری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

سوالیہ انداز میں بے برگ و بار مغربی ترقی کے بارے میں فرماتے ہیں:

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے ہند و یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال مرد بیکار و زن تہی آغوش

مغربی افکار میں 'آزادی' مادر پدر آزادی نے عورتوں کی آزادی کے بارے میں حد سے زیادہ زور دیا ہے اور آزادی نسواں کے نام پر بے حیائی اور بدتمیزی کا طوفان برپا کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند

اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش مجبور ہیں، معذور ہیں' مردانِ خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ آزادیٔ نسواں کہ زمرّد کا گلوبند ؟

تہذیب مغرب نے فرصت کے لمحات کے لئے جو فنون لطیفہ بنائے اس میں رقص، بے لباسی، عریانی، شراب، حیوانیت بنیادی تصورات ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

چھوڑ یورپ سے لئے رقص بدن کے خم و پیچ روح کے رقص میں ہے ضرب کلیم الٰہی
صلہ اس رقص کا ہے تشنگی کام و دہن صلہ اُس کا ہے درویشی و شاہنشاہی

اہل مغرب کو فکر مغرب کی ناپختگی سے متنبہ بھی فرمایا:

؎ یہ تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہوگا

یورپی ترقی سے دراصل یہودی و صہیونی عزائم کی تکمیل ہی مقصود ہے۔ فرماتے ہیں:

؎ یہ عیش فراواں یہ حکومت یہ تجارت
دل سینۂ بے نور میں محروم تسلی

؎ تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے
یہ وادی ایمن نہیں شایان تجلی
ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جواں مرگ
شاید ہوں کہ کلیسا کے یہودی متولی

مغربی تہذیب کے ابلیسی عزائم کے بارے میں فرماتے ہیں:

؎ تری حریف ہے یارب سیاست افرنگ
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

فکر مغرب کی معراج جمہوریت کے بارے میں فرماتے ہیں:

؎ جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
؎ چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر

جمہوریت کی آڑ میں ابلیسی عزائم کی تکمیل پر تبصرہ کرتے ہوئے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں ارشاد ہے

؎ دیو استبداد ہے جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے جسے آزادی کی ہے نیلم پری
؎ ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

علامہ اقبال کے بارے میں دوسرا پہلو جس کا اوپر تذکرہ ہوا تھا وہ ان کے کلام میں اُمت مسلمہ سے خطاب ہے اور اس سوئی ہوئی قوم کو جگانے کا عظیم کام ہے اور علامہ اقبال کا اصل کارنامہ ہی یہی ہے۔ مغرب پر تنقید دراصل مسلم نوجوانوں اور آسودہ حال، مغرب پرست اور مغرب زدہ طبقات کو مغرب کی تہذیب کی حقیقت دکھانا مقصود تھا تاکہ وہ بھی ان کی طرح اسلام کے دامن میں آجائیں اور حضرت محمد ﷺ کے قدموں تلے گوشہ عاقبت تلاش کرلیں۔

اس نقطہ نظر سے ان کی شاعری پر نگاہ ڈالی جائے تو نظر آتا ہے کہ یہی ایک مقصد تھا جو اُن کے پیش نظر تھا اور جس کے لئے وہ مختلف پیرائے سے ابلاغ کا حق ادا کرنے کے لئے استعمال فرماتے رہے۔

اردو دان طبقے کے لئے اُردو میں، وسیع تر حلقے اور اعلیٰ علمی ذوق رکھنے والوں کے لئے فارسی میں (اس وقت فارسی کا اعلیٰ و علمی ذوق موجود تھا جو آج ناپید ہے) اور عالمی سطح پر اونچے طبقات میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اپنی بات کے ابلاغ کے لئے انگریزی زبان میں اپنے خیالات و افکار دنیا کے سامنے پیش فرمائے۔ خود فرماتے ہیں دنیا مجھے شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے حالانکہ میں (محض) شاعر نہیں ہوں ع میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

اور ؎ جوانوں کو مری آہِ سحر دے پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے میرا نورِ بصیرت عام کردے

یا فارسی زبان میں ارشاد ہے ع مرا یاراں غزل خوانے شمردند

اور ؎ نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست

سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

علامہ اقبال کے سینۂ میں یہی جذبہ موجزن تھا جس نے 1911ء میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں شکوہ کی صورت اختیار کر لی۔

اس وقت مسلمانوں کی بے چارگی، اقتصادی بدحالی، تعلیمی پسماندگی، قیادت کا فقدان، غلامی کا شکنجہ، جبر و استبداد، دین سے بے اعتنائی اور تاریک مستقبل کا خوف ایسے منحوس عوامل تھے جس سے برطانوی ہند کے مسلمان دوچار تھے اگرچہ مولانا الطاف حسین حالؔی نے پہلے مسدس حالی لکھی تھی اور مسلمانوں کو جگانے کی کوشش کی تھی تاہم علامہ اقبال کی نظم 'شکوہ' نے پورے ہند کے مسلمانوں کو گرما دیا اور باشعور طبقے کی آنکھیں کھل گئیں۔

یہ 'شکوہ' کیا تھا مسلمانوں کو اپنا عظیم ماضی یاد دلا کر دوبارہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹنے کا احساس دلانا تھا۔ سوالیہ انداز میں مسلمان عوام وخواص کو سوچنے پر مجبور کرنا تھا کہ کبھی مسلمان کیا تھے؟ اور آج کیا ہیں؟

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکر محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر؟
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا!

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی، تو بگڑ جاتے تھے تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے؟ شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سَر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟ کاٹ کر رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے؟

کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایران کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے!

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں، تو بھی تو دلدار نہیں!

آخر میں التجا کے انداز میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے:

مشکلیں اُمتِ مرحومہ کی آساں کر دے مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے
جوئے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما
می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما!

اپنے بارے میں انہیں احساس تھا کہ ان کا مشن کیا ہے؟ تاہم لوگ ان کا ساتھ نہیں دے رہے اور بات نہیں سنتے۔

ے ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

مسلمانوں کی حالت زار پر خون کے آنسو بہائے ہیں اور فرمایا:

لطف مرنے میں ہے باقی، نہ مزا جینے میں کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں!
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں کس قدر جلوے تڑپے ہیں مرے سینے میں!
اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں

داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

اس مضمون کو فارسی میں یوں ادا کر کے قوم کے اہلِ علم دانشور طبقے کو احساس دلایا ہے ۔

غمِ پنہاں کہ بے گفتن عیاں است　　　چو آید بر زبان یک داستان است

رہے پُر پیچ و راہی خستہ زار　　　چراغش مردہ وشب درمیان است

''ایک اندرونی غم کہ اس کے اثرات بغیر بتائے ظاہر ہوں اگر اسے زبان پر لایا جائے تو ایک (طویل) داستان ہے (ان حالات میں) راستہ پیچیدہ اور مسافر خستہ حال اور پریشان ہے۔ چراغ بجھا ہوا اور (شام کا وقت کہ) ایک (طویل) شب سامنے ہے۔''

اپنے کلام اور اس کے مضامین کی پاکیزگی اور احیائے اُمت کے مشن کے بارے میں اُن کے باطنی احساسات یہ تھے:

؎　عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری

نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

دو سال بعد 1913ء میں اسی جگہ جوابِ شکوہ نظم پڑھ کر سنائی یہ دراصل کچھ اہلِ علم کی طرف سے نظم شکوہ کے بعض الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے لئے سوئے ادب کے پہلو نکلنے پر لکھا گیا تھا۔ اس میں شاعرانہ تخیل بہت بلند ہے اور کلام اللہ وفرامین نبوی ﷺ سے ہی اُمت کی ذمہ داریاں، اللہ تعالیٰ سے محبت اور رسول ﷺ کی محبت کے تقاضے، سچا اُمتی ہونے کا مطلب، بندگی رب اور عشق رسول کے دعوے کا مطلب ہی مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے۔ شکوہ سے قوم میں' اللہ کی خاص اُمت ہونے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نسبت، اولیاء اللہ سے نسبت، مسلمانوں کے شاندار ماضی کا احساس پیدا ہوا تو جواب شکوہ سے اُن کی ذمہ داریاں اور مستقبل میں اسلام کے غلبے اور عالمی خلافت کے قیام پر بات ختم ہوئی۔ فرماتے ہیں:

؎　عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا

آسماں چیر گیا نالۂ بے باک مرا

اس طرح علامہ اقبال نے انسان کو وقتی طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام کر دیا۔

؎　شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے

ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا نے تو نے

جواب شکوہ میں علامہ نے جو سخت تنقید اُمت کے حالات زار، علماء وصوفیاء اصحاب ثروت، اُمت کے رہنماؤں پر کی ہے وہ اپنی جگہ ایک اہم کارنامہ ہے

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے! ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبع آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے تمہیں کہہ دو یہی آئینِ وفاداری ہے
قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں
جس کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو
ہونکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے؟
منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟
جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا، تو غریب
امرانشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے
واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں، روح بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصافِ حجازی نہ رہے

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو ، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نے دولتِ عثمانی ہے تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

مغربی سامراج اور یورپی استعمار کی چیرہ دستیاں، ظلم و استبداد اور مسلمانوں سے بالخصوص ظالمانہ سلوک کے بارے میں فرمایا:

عہد نو برق ہے، آتش زنِ ہر خرمن ہے ایمن اس سے کوئی صحرا، نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے ملتِ ختم رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

مغربی صنعتی ترقی کے بعد مغربی تہذیب کا جو سیلاب آ رہا تھا وہ سب کچھ بہا کر لے جا رہا تھا دوسری اقوام کو تو اس نئی تہذیب کو اختیار کرنے میں کوئی عار وقتی طور پر تھا بھی تو ہو جلد کافور ہو گیا مگر اُمت مسلمہ تو.....وارثت انبیاء کی نقیب ہے۔ چنانچہ طلوع اسلام نظم میں فرماتے ہیں۔

؎ خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

ع مشرق کی اندھیری رات میں دھندلا سا ستارہ تو ہے

؎ سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

مزید فرمایا: ؎ شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

جوابِ شکوہ بھی اسلام کے شاندار مستقبل، عالمی غلبے اور احیائے خلافت کی نوید پر ختم ہوتی ہے۔

؎ عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری

اور مسلمان کا فرض کیا ہے اللہ اور اس کے اُصول ﷺ سے وفاداری ہے۔

؎ کی مُحمّدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اُمت مسلمہ کی بیداری کے مقصد کو علامہ اقبال نے ہر ممکن پیرائے میں بیان کیا ہے اور ابلاغ کا حق ادا کرنے کی سعی مشکور کی ہے۔ اُردو میں بچوں، جوانوں، بوڑھوں سب کے لئے پیغام ہے۔ فارسی میں علماء، صوفیاء اور دانشور طبقہ کے لئے، انگریزی میں جدید تعلیمافتہ مغربی تہذیب کے دلدادہ حضرات کے لئے آساں پیرائے میں بھی اور فلسفیانہ انداز میں بھی آسان نثر میں اور فلسفہ کی زبان میں اپنا مدّعا بیان کیا ہے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ ـــــــ نظام خلافت

نظام خلافت انسانی زندگی کے انفرادی کے ساتھ اجتماعی پہلوؤں کو بھی اپنے محیط میں لے لیتا ہے؛ اس لئے کہ اسلام پوری زندگی کا دین ہے اور دین کا تقاضا ہے کہ اس میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ (02-208)۔ اجتماعی زندگی کے گوشوں میں دین کا غلبہ دور غلامی میں ایک خواب و خیال بن گیا تھا علامہ اقبال نے اسلامی شریعت کے نفاذ کے ساتھ سماجی میدان، معاشی میدان اور سیاسی میدان میں بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل درآمد کو واضح فرمایا۔

دین کا تقاضا ہے کہ نماز کی طرح سماجی سطح پر بھی مسلمان مساوات کا مظہر ہوں۔

ع بندو صاحب محتاج و غنی ایک ہوئے

یا ع ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

معاشی سطح پر نقد روپے کا منافع سود ہے اور اسلام میں حرام ہے جبکہ آج ساری معیشت سود اور جواء (CHANCE MONEY) پر قائم ہے۔ سود کی برائی کو واضح فرمایا۔

؎ از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن کس نداند لذت قرض حسن

ایک اور جگہ فرمایا کہ سود خور انسان درندہ بن جاتا ہے (انسانی خون چوستا ہے) بغیر دانتوں اور درندوں والی آواز کے۔ اسی طرح زمین کا معاملہ ہے جاگیرداری (FEUDALISM) ایک لعنت ہے اور اسلام سے پہلے بھی اور آج بھی دنیا پر مسلط ہے۔ جبکہ خلافت راشدہ میں اسے ختم کر دیا گیا تھا اور عرصے تک مسلمان حکمرانوں کے ہاں نہیں تھی۔ حضرت عمرؓ کے دور میں عراق فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے بارے میں یہی فیصلہ ہوا کہ یہ 'خراجی' زمینیں ہیں اور اجتماعی ملکیت (STATE LANDS) ہیں کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ چنانچہ فرمایا:

؎ رزق خود از زمین بُردن رواست ایں متاعِ بندہ و ملک خدا است

یا منفی انداز گفتگو میں ابلیس کی زبان سے کہلوایا ہے کہ اسلام کے نظام خلافت کا مطلب جاگیرداری اور بادشاہت کا خاتمہ ہے۔

؎ اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں' اللہ کی ہے یہ زمیں

اور تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں لہٰذا زمین سے ہر انسان کو رزق حاصل کرنے کا برابر کا حق حاصل ہے۔

سیاسی سطح پر کامل مساوات کا نظارہ دنیا اس طرح دیکھے کہ انسانوں پر انسان حاکم نہ بن بیٹھیں بلکہ اللہ کی حاکمیت کا تصور نظام خلافت کی روح رواں ہے۔ اللہ کے احکام اور اس کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی تشریحات ہی قانون اسلامی کا منبع (SOURCE OF LAW) ہے۔ چنانچہ فرمایا:

؎ سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری

اور سیاسی سطح پر ''لا الہ الا اللہ'' کا مطلب ''لامِلکَ الا اللہ'' فرماتے ہیں جب اللہ کے قانون پر عمل ہوگا تو اسی سے عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔ سماجی، معاشی اور سیاسی سطح پر یہ تصورات کسی معاشرے میں نمایاں ہوں اور انفرادی زندگی میں بھی لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کر رہے ہوں تو..... یہ نظام خلافت ہے۔

اس نظام خلافت کے نفاذ کے لئے ایک ملک درکار ہے اور علاقہ ضروری ہے لہٰذا..... علامہ نے مسلمانوں کے لئے علیحدہ ملک پاکستان کا نظریہ پیش کیا۔ اس کے لئے

قائداعظم محمد علی جناح کولندن سے بلاکر مسلمانان ہند کی قیادت کے لئے آمادہ کیا۔ملک پاکستان صرف ایک زمین کا ٹکڑا نہیں (PIECE OF LAND) بلکہ نظام خلافت کا گہوارہ بنانا ضروری ہے اور یہی علامہ اقبال کا مدعا تھا۔

اس ملک میں نظام خلافت کے لئے ایک انقلاب (بنیادی تبدیلی) کی ضرورت ہے سود کا خاتمہ ہوجائے، جاگیرداری کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے، انسانوں کے درمیان اونچ نیچ (ذات، برادری، نسل، پیشہ، حیثیت وغیرہ کی بنیاد) ختم کردی جائے، یہ چیزیں صرف پہچان کے لئے باقی رہ جائیں.....حاکمیت اللہ کی ہوجائے اور انسانوں کے بنائے ہوئے قانون نہیں اللہ کا قانون نافذ ہو.....اس کے لئے بادشاہوں اور خدائی کے دعویداروں اور دوسرے نظاموں سے گلوخلاصی ضروری ہے۔اس کام کے لئے سخت جدوجہد کی ضرورت ہے۔ایسے مردان کار کی ضرورت ہے جو اس کو اپنی زندگی کا مشن بنائیں اللہ کی رضا کے لئے نکلیں اور دنیا سے ظلم ناانصافی کے خاتمے کے لئے اللہ کے بھیجے ہوئے نظام کو عام کریں۔لوگوں میں شعور پیدا کریں لوگوں کو جمع کریں ان کی تربیت کریں ان کو باطل سے ٹکڑا دیں اور انقلاب برپا کردیں اس سارے معاملے میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے اور سخت مشقت اور محنت طلب کام ہے۔

؎ بانشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

یا جیسے اُردو کا ایک اور شعر ہے

؎ تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

اس انقلاب اور اللہ کی حاکمیت کے لئے علامہ اقبال نے قرآن مجید پڑھنے اور عشق رسول ﷺ کا درس دیا ؎ وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

؎ گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اور ؎ کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس انقلاب کے لئے مسلم نوجوان کو خطاب کیا ہے۔

محبت مجھے ان نوجوانوں سے ہے ستاروں پر جو ڈالتے ہیں کمند

مسلمان بچوں کو فرماتے ہیں

؎ نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

؎ لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنا میری زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
میرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو نیک جو راہ ہو اُسی راہ پہ چلانا مجھ کو

مسلمانوں کو مایوسی سے نکالا ہے اُمید اور حوصلہ دیا ہے اور اسلام کے غلبہ کی نوید سنائی ہے

؎ آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

نغمہ توحید ہی کے عام ہونے سے دنیا میں سماجی سطح پر مساواتِ انسانی کو فروغ ملے گا معاشی سطح پر سود، جاگیرداری، جوا، سٹہ وغیرہ سے نجات اور سیاسی سطح پر ظلم و ناانصافی سے گلوخلاصی حاصل ہو سکے گی۔

یہی علامہ اقبال کا پیغام ہے اور اسی کو عام کرنے کی ضرورت ہے دنیا اس وقت ظلم اور ناانصافی سے بھر گئی ہے بے حیائی، بے راہ روی، سیکولرازم نے شرف انسانی کی جگہ حیوانیت کو عام

کر دیا ہے۔ معاشی بدحالی، بے روزگاری اور محرومیاں دنیا کی کثیر آبادی کا مقدر ہے۔ امن و آشتی، عدل و انصاف، کفالت عامہ کا تصور صرف خالق ارض و سماء کے قانون میں ہے اور اسی کی حاکمیت کے تحت ہی ممکن ہے۔

؎ جوانوں کو مری آہِ سحر دے پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے میرا نورِ بصیرت عام کر دے

علامہ اقبال کا ہم پر فرض یہی ہے کہ قرآن مجید کو اُمت کے موجودہ مسائل کا حل سمجھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا عام کر دیں اور اس قرآن مجید کے دیے ہوئے نظام.....نظام خلافت کی جدوجہد میں اپنا تن من دھن لگا دیں تا کہ ایک طرف ہمارا رب اور اس کا رسول ﷺ ہم سے راضی ہو جائیں تو دوسری طرف دنیا خلافت راشدہ کے دور کی طرح امن و سکون کا گہوارہ بن جائے تا کہ ساری نسل انسانی اپنے رب کی بندگی کے دامن میں آ سکے۔

علامہ کی تصنیفات

علم الاقتصاد (اُردو) نایاب ہے۔ فلسفہ ایران (انگریزی)۔ اسرارِ خودی (فارسی)۔ رموز بے خودی (فارسی)۔ پیامِ مشرق (فارسی)۔ زبور عجم (فارسی)۔ لیکچرز مدراس (انگریزی)۔ جاوید نامہ (فارسی)۔ بانگِ درا (اُردو)۔ بالِ جبریل (اُردو)۔ ضربِ کلیم (اُردو) ۔ مسافر (فارسی)۔ ''پس چہ باید کرد'' (فارسی)۔ ارمغان حجاز (فارسی و اُردو)۔

یہ سیمینار 23 مارچ 2008ء کو قرآن اکیڈمی جھنگ میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ابصار احمد صاحب سابق صدر شعبہ فلسفہ پنجاب یونیورسٹی لاہور نے صدارت فرمائی اور صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ دیگر حضرات میں انجینئر مختار فاروقی، مہر غلام سرور صاحب (ر) پروفیسر شعبہ تاریخ، پروفیسر حسن محمود اقبال صاحب، پرنسپل گورنمنٹ کالج جھنگ شامل ہیں۔

صدائے اقبال

بیا تا کار ایں امت بسازیم
قمار زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجد شہر
کہ دل در سینۂ مُلّا گدازیم

آ ؤ (اے اللہ والو اور حضرت محمد ﷺ کے دیوانو اور عاشقو!) کہ اس مسلمان امت کو مشکلات سے نکالنے کا کام کریں، زندگی کی بازی (غیروں اور امریکہ کی غلامی کی بجائے) مردانہ وار (مقابلے کے انداز میں) کھیلیں، میں (مسلمانوں کے دینی رہنماؤں کے پاس) مسجد میں اسی لئے آنسو بہاتا ہوں کہ (شاید اس طرح) مُلّا (دور حاضر کے علماء وصوفیاء) کے سینے میں دل نرم ہو جائے (اور وہ اسلام کے دوبارہ غلبے کی راہ ہموار کرنے کے لئے) آمادۂ عمل ہو جائے۔